ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

1101

اتوار 8 ربیع الاول 1445ھ
مطابق 24 ستمبر 2023ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

وہ تو پیار کرتے ہیں!

القرآن

چیونٹی کا نظم وضبط

اور سلیمان (علیہ السلام) کے لیے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کیے گئے اور وہ منظم رکھے گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ، ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تم کو کچل ڈالے اور اُن کو خبر بھی نہ ہو۔

(سورۃ النمل آیت: 17 اور 18)

الحدیث

نماز میں نظم وضبط

صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’صفیں سیدھی اور درست کیا کرو، کیونکہ صف کا درست اور سیدھا ہونا نماز کا حصہ ہے۔‘‘

(صحیح بخاری)

ایک عظیم نعمت

دستک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج ربیع الاول کے اِس خصوصی شمارے کی دستک لکھنے بیٹھے ہیں تو بے ساختہ پانچ سال قبل ۱۴۴۰ھ کا ربیع الاوّل یادوں میں مہکنے لگا ہے، جس کا پہلا جمعہ ہماری زندگی کے تلخ وشیریں ہزاروں ایام میں سے اُن بیس خوش نصیب ایام کا نقیب بن گیا، جو یقیناً ’سید الایام کہے جاسکتے ہیں۔

جی ہاں! ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۰۱۸ء کا ربیع الاول ہماری زندگی کا اب تک کا سب سے یادگار ربیع الاوّل ہے جس کے ۲۰ ایام ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنے والدین کریمین کے ساتھ حرمین شریفین میں گزارے، اور پھر اِن ایام میں سے بھی خاص ۸ سے ۱۲ ربیع الاول شاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہرِ مقدس میں ہمیں عطا ہوئے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی اِس بندہ ناچیز پر بہت بڑی نعمت تھی۔

بعض نعمتیں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ ہم جیسے کوتاہ بین اُن کی عظمت کا صحیح صحیح اندازہ بھی نہیں لگا پاتے۔ خاص طور پر اس لیے بھی ہمیں ان کی کماحقہٗ قدر نہیں ہوتی کہ وہ ہمیں بن مانگے اور بغیر کسی مشقت یا آزمائش کے مل جاتی ہیں۔ اس زمانے میں حرمین کی حاضری بھی سب کے درجے میں اتنی آسان ہوگئی ہے کہ اس نعمت کی عظمت کا پچھلے دور کے زائرین کی بنسبت آج کے زائرین کی اکثریت کو ٹھیک سے اندازہ ہی نہیں ہو پاتا۔

بالکل اسی طرح ماں کی گود میں اسلام کی نعمت اور سوا لاکھ انبیاء کرام میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کا مل جانا بھی وہ عظیم نعمتیں ہیں، جن کی ہم پیدائشی مسلمانوں کو جیسی قدر ہونی چاہیے تھی، سچی بات ہے کہ نہیں ہے!

ماہِ ربیع الاول ہی کو دیکھ لیجیے، اُس کی آمد کے ساتھ ہی ہم سب کو اس عظیم نعمت کی یاد تازہ ہو جانی چاہیے جو ہمارے بن مانگے ہم سے چودہ صدیاں قبل اللہ رب العزت نے اس ماہِ مبارک میں عطا فرمائی تھی۔ صدیوں پر محیط بھیانک خزاں کی زردی کل عالم کے چہرے پر کھنڈی ہوئی تھی، اسی مہینے بہار اپنی جلو میں ہزاروں گلاب لیے نمودار ہوئی اور عالم کا ستا ہوا چہرہ گلابی ہو گیا، دنیا کا آنگن معطر ہو گیا۔ اسی مہینے کی تو وہ آٹھویں شب تھی کہ جس کی صبح اِس سورج نامی جلتی ٹکیہ کے طلوع سے نہیں بلکہ آفتابِ نبوت کے ظہور سے ہوئی۔

اچھا پھر ہجرت کی نعمت بھی تو ربیع الاول ہی میں ملی تھی، جب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرمائی تھی اس شہر کی طرف جس کا نام یثرب تھا اور جو آپ کی آمد سے ہمیشہ کے لیے مدینہ ہو گیا...... مدینہ منورہ!

ویسے سوچیں تو یہ نام بھی عجیب ہے۔ یہ دنیا کا واحد شہر ہے جس کا نام ہی شہر (مدینہ) ہے۔ گویا مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر (کہ وہ تو ام القریٰ تمام بستیوں کی ماں اور اصل ہے) شہر تو بس وہی ہے جسے محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ملی ہے، باقی بستیاں تو مدینہ منورہ کی بنسبت دیہات ہی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجہ تخلیق کائنات ہیں۔ آپ کی ذات اقدس فرش و عرش پر یکساں محبوب ومقبول ہے۔ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و مرتبہ اِس قدر بلند و بالا ہے کہ تمام انسانی عقلیں جمع بھی ہو جائیں تو اُس مقام کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ اس اعلیٰ مقام کے ادراک کے لیے عقل کی نہیں ایک سچے ’’دل‘‘ کی ضرورت ہے۔ اور ایسے دل والے تو سچی بات ہے وہی نفوس تھے جنھیں خالقِ کائنات نے اپنے محبوب کے اصحاب کے طور پر چنا۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ کے مقام کو سمجھا، آپ کی قدر کی اور ایسی تعظیم کی کہ کیا کسی محض جسموں پر حکومت کرتے بادشاہ کو نصیب ہو سکتی ہے۔ آپ نے تو دلوں پر حکومت فرمائی سو یہی وجہ تھی کہ اپنے اصحاب کو کوئی حکم دیتے تو وہ اس کی تعمیل میں سبقت لے جانے کے لیے دوڑ پڑتے۔ وضو فرماتے تو وضو کے مستعمل پانی کے حصول کے لیے ان کے درمیان باہم جھگڑا تک ہو جاتا۔ آپ کلام فرماتے تو وہ اِس طرح سر جھکا کے ہمہ تن گوش سماعت کرتے کہ گویا اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

اے کاش! ہمیں بھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کی بن مانگے سعادت مل گئی ہے، اللہ میاں ہمیں اس کی قدر کرنے کی، بار بار شکر ادا کرنے کی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

والسلام

محمد فیصل شہزاد

ام ساریہ

تین سو ساٹھ بچیاں

حضرت صعصعہ بن ناجیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔

میں نے قبول کرلیا تو مجھے قرآن کریم کی کچھ آیات سکھائیں۔ اس کے بعد میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ دورِ جاہلیت میں ہم نے جو نیکیاں کی ہیں، ان کا بھی اللہ ہمیں اجر عطا کرے گا؟

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''کون سے نیک اعمال کیے ہیں؟''

میں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میری دو اونٹنیاں گم ہوگئی تھیں۔ میں اپنے ایک اونٹ پر بیٹھ کر انھیں ڈھونڈنے نکلا اور جنگل میں جا نکلا۔

وہاں میں نے ایک بوڑھے آدمی کے پاس اپنی اونٹنیوں کو پالیا۔

میں نے اسے کہا کہ یہ دو اونٹنیاں میری ہیں۔

وہ کہنے لگا: ''تمھاری ہیں تو لے جا۔''

انھی باتوں کے دوران میں اس نے پانی اور کھجوریں منگوالیں۔

میں کھا پی رہا تھا کہ اچانک بچے کے رونے کی آواز آئی۔

بوڑھا پوچھنے لگا: ''اگر بیٹا ہوا تو قبیلے کی شان بڑھائے گا، اگر بیٹی ہوئی تو ابھی یہاں اسے زندہ دفن کردوں گا۔''

حضرت صعصعہ بن ناجیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرنے لگے، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ بات سن کے میرا دل نرم ہوگیا۔ اتنے میں معلوم ہوگیا کہ بچی ہوئی ہے۔

میں نے اس سے کہا کہ کیا واقعی تُو اس بچی کو دفن کردے گا؟

کہنے لگا ہاں! میں نے کہا، دفن نہ کر مجھے دے دے، میں لے جاتا ہوں۔

وہ مجھے کہنے لگا، اگر میں بچی تم کو دے دوں تو تم کیا دو گے؟

میں نے کہا: ''تم میری یہ دو اونٹنیاں رکھ لو اور بچی مجھے دے دو۔''

کہنے لگا: ''نہیں، دو نہیں یہ جس اونٹ پر تُو بیٹھ کے آیا ہے، یہ بھی لوں گا۔''

اس پر میں نے کہا کہ اپنا ایک آدمی میرے ساتھ بھیجو۔ یہ مجھے گھر چھوڑ آئے تو میں یہ اونٹ اسے واپس کردوں گا۔ یوں میں نے تین اونٹ دے کر وہ بچی لے لی۔

اس بچی کو لا کے میں نے اپنی کنیز کو دیا۔ اس نے اس بچی کو دودھ پلایا۔

یارسول اللہ! وہ بچی میرے داڑھی کے بالوں سے کھیلتی، وہ میرے سینے سے لگتی۔ حضور! پھر میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی بھلائی کا کام ہے، تو میں ڈھونڈنے لگا کہ کون کون سا قبیلہ بچیاں دفن کرتا ہے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں تین اونٹ دے کے بچی لایا کرتا، یوں میں نے تین سو ساٹھ بچیوں کی جان بچائی ہے۔ میری حویلی میں تین سو ساٹھ بچیاں پلتی ہیں۔ حضور! مجھے بتائیں میرا مالک مجھے اس کا اجر دے گا؟''

کہتے ہیں کہ یہ روداد سنتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہوچکی تھی۔ آپ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے:

''یہ تجھے اجر ہی تو ملا ہے کہ رب نے تجھے دولتِ ایمان عطا کردی ہے۔''

(المعجم الکبیر للطبرانی)

☆☆☆

ماہ نور الیاس

روشن

وہ پرانے زمانے کا تعمیر کردہ کچی مٹی کا دو منزلہ گھر تھا جو چمکتی قندیلوں سے جگمگا رہا تھا یا شاید بے شمار ننھے ننھے روشن جگنو تھے جو اس گھر کے گرد جھلملا رہے تھے، بلکہ نہیں...... یہ تو بہت سارے ستارے تھے، جو آسمان سے اُس گھر کو روشن کرنے زمین پر اتر آئے تھے۔

ننھی بچی اپنی کھڑکی سے سامنے والے گھر کو بہت حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں اِن رنگ برنگی روشنیوں کا عکس یوں جگمگا تا تھا جیسے ایک ساتھ بہت سارے دیپ جل رہے ہوں۔

اُس نے گردن موڑ کر اپنے بابا کو دیکھا، جو اس کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ اُن کے لب ہل رہے تھے۔

''بابا! سب لوگ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا گھر روشنیوں سے سجاتے ہیں۔ ہم یہ رنگ برنگی روشنیاں کیوں نہیں لگاتے؟''

چند لمحوں تک خاموشی ہی رہی۔ اس نے دیکھا کہ اُس کے بابا کے چہرے پر مسکراہٹ چمکنے لگی تھی۔

''جس گھر کے رہنے والے درود شریف پڑھتے ہیں ناں بیٹے!'' بابا دھیمی آواز میں بولے۔ ''وہ گھر آسمان والوں کو اس سے بہت زیادہ روشن اور جگمگاتا ہوا دکھائی دیتا ہے جیسے یہ مصنوعی قندیلوں سے روشن گھر ہمیں زمین پر دکھائی دیتے ہیں۔''

بچی کو بابا کی بات سنتے ہی فوراً ہی کلاس میں پڑھی حدیث مبارکہ یاد آگئی۔

''آپ سوچو ذرا، یہ سامنے والی روشنیاں تھوڑی دور سے نظر آنا بند ہو جائیں گی، مگر وہ گھر کتنا روشن ہوگا، جو آسمان سے نظر آئے......؟!''

یہ سنتے ہی بٹیا کے چہرے پر اطمینان اور خوشی سے بھرپور مسکراہٹ پھیل گئی اور اس کے ہونٹ بھی آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔

اُس کے بابا بھی تو مسلسل درود شریف پڑھ رہے تھے۔

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1500 روپے بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

سفر معراج اور حضرت ابوبکر صدیق کی آواز

ام مریم۔ راولپنڈی

سفر معراج میں جب جبرئیل علیہ السلام آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لے کر ساتویں آسمان سے بلند ہوئے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو یہاں آپ نے نہر کوثر دیکھی۔

اس پر یاقوتوں، موتیوں اور زمرد کے خیمے لگے تھے۔ اس نہر پر سبز رنگ کا ایک پرندہ بیٹھا تھا۔ وہ اتنا حسین تھا کہ اس جیسا حسین پرندہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: ''یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔''

اس نہر میں سونے چاندی کے کٹورے تیر رہے تھے۔ وہ کٹورے یاقوت اور زمرد کے تھالوں میں رکھے ہوئے تھے۔ کٹورے سونے چاندی کے تھے، آپ فرماتے ہیں: ''میں نے ایک جام اُٹھایا، نہر سے اس کو بھرا اور پیا۔

وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔''

سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچنے کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ''بس اب آپ اور آپ کا رب جانیں، میری پہنچ یہیں تک ہے، میں اس سے آگے نہیں جاسکتا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، پھر ایک بدلی نے آکر اس درخت کو گھیر لیا، جبرئیل علیہ السلام وہیں رہ گئے۔ اس بدلی نے اب مجھے اٹھایا۔ یہاں میں نے قلموں سے لکھنے کی آواز سنی۔ یعنی وہ تقدیر کے قلم تھے۔ ان سے مخلوق کی تقدیریں لکھی جارہی تھیں۔ اس مقام کو صریر اقلام کہا جاتا ہے۔''

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:

''پھر مجھے نور کے پردوں میں لے جایا گیا۔ میں نے ستر ہزار پردے پار کیے۔ ان میں سے ہر پردے کی موٹائی اتنی تھی کہ پانچ سو سال میں اس کو پار کیا جاسکے۔ اب مجھے کسی فرشتے کی موجودگی کا احساس نہ رہا، اس وجہ سے مجھے کچھ وحشت سی محسوس ہوئی۔ ایسے میں مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی دی۔ آپ ان کی آواز سن کر حیران ہوئے۔ اسی وقت آواز آئی:

''قریب آیئے اے بہترین مخلوق! قریب آیئے اے احمد! قریب آیئے اے احمد۔''

آپ فرماتے ہیں:

''پھر میرے پروردگار نے مجھے اور قریب کیا، یہاں تک کہ میں اپنے رب کے اتنا قریب ہو گیا کہ دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔''

اس طرح پوری کائنات میں یہ شرف صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا۔ آپ کے قدم مبارک وہاں پڑے جہاں نہ کسی نبی مرسل کے پہنچے نہ کسی مقرب فرشتے کے۔

آپ فرماتے ہیں: ''میں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا: 'اے اللہ! جب مجھے سدرۃ المنتہیٰ سے اُٹھتے وقت تنہائی کا احساس ہوا تو کچھ وحشت سی ہوئی تھی، اس وقت میں نے کسی بولنے والے کی آواز سنی تھی۔ وہ آواز ابوبکر کی آواز جیسی تھی۔ تب مجھے حیرت ہوئی تھی کہ کیا ابوبکر اس مقام پر مجھ سے بھی پہلے پہنچ گئے؟'

اس پر باری تعالیٰ نے فرمایا: ''اے محمد! جہاں تک آپ کے ساتھی کا معاملہ ہے، یہ ایسا ہے جیسے آپ کے بھائی موسیٰ کو اپنے عصا سے لگاؤ تھا۔ جب ہم نے ان سے بات کرنے کا ارادہ کیا تو ہم نے ان سے کہا، اے موسیٰ! یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ انہوں نے کہا، یہ میرا عصا ہے، چنانچہ اس کے بعد ان کا دھیان میری عظیم ہیبت سے ہٹ گیا اور وہ اپنے عصا کے متعلق باتوں میں لگ گئے، اس طرح اے محمد! چونکہ تمہیں اپنے ساتھی سے لگاؤ ہے، اس لیے میں نے ان کی صورت ایک فرشتہ پیدا کر دیا جو انہی کی آواز میں بات کرنے لگا تاکہ اپنے دوست کی آواز سن کر آپ کی وحشت دور ہو جائے۔''

درود وسلام

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "زاد السعید" کے نام سے صلوٰۃ وسلام پر مشتمل چالیس صیغے جمع فرمائے۔

حضرت فرماتے ہیں: "جو صیغے صلوٰۃ وسلام کے احادیث میں آئے ہیں اُن میں سے چالیس صیغے پیش کیے جاتے ہیں جن میں سے پچیس صلوٰۃ کے اور پندرہ سلام کے ہیں۔"

ان شاء اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک ایک درود وسلام کے صیغے ہر ہفتے پیش کیے جائیں گے۔

قارئین! انھیں یاد کیجیے، روزانہ پڑھنے کا اہتمام کیجیے اور اپنے بچوں اور دوستوں کو بھی یاد کروایئے۔ اس طرح درود وسلام کا اجر بھی ملے گا، تلاوت حدیث کا بھی اور چالیس احادیث یاد کرنے پر از روئے حدیث قیامت کے دن علماء کرام کے ساتھ اٹھائے جانے کی بشارت کے مستحق بھی آپ بن جائیں گے۔ (مدیر)

صلوٰۃ کا پہلا صیغہ:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

سلام کا پہلا صیغہ:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ، اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

وہ تو پیار کرتے ہیں!

کاوش صدیقی

وہ اماں تھیں۔ ہماری اماں کی اماں، محلے بھر کی اماں...... جگت اماں!

جو انھیں دیکھتا، بس انھیں اماں ہی کہتا تھا۔ شاید اماں کے چہرے پر لکھا ہوا تھا:

''ہمیں اماں کہو......!''

اُن کے گہرے سانولے چہرے پر ہر وقت ممتا کی چاندنی چھٹکی رہتی تھی۔

مزے کی بات یہ کہ ان سے ہمارا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا۔ اماں بتاتی ہیں کہ جب تمھارے ابا سے ہماری شادی ہوئی تو ہماری اماں نے انھیں ہمارے ساتھ کر دیا کہ تم چھوٹی سی تو ہو، یہ تمھارا خیال رکھیں گی۔ تب سے ہم نے انھیں ساتھ ہی دیکھا۔ ڈانٹتے، پھٹکارتے، غصہ کرتے، مگر نجانے پھر بھی اُن میں کیا بات تھی کہ ہزار جھاڑیں کھانے کے بعد بھی ہم سب انھی کے پاس گھسے رہتے۔

محلے میں ہمارا مکان دو منزلہ تھا۔ ہم سات بہن بھائی تھے اور ایک اکیلے کمانے والے ابا۔ گھر میں محبت اور غربت دونوں بہنیں بڑے مزے سے ہم پر حکومت کرتی تھیں۔ جب غربت آپا حالات کے تھپیڑے لگاتیں تو محبت آپا ہمیں اپنے شکر کے پلو میں سمیٹ لیتیں۔

محبت آپا، اماں کا جیتا جاگتا نمونہ تھیں۔

اُس دن میں گھر آیا تو میرا اترا ہوا منہ دیکھ کے امی نے پوچھا:

''کیا بات ہے ارشد! کیا دوستوں سے لڑائی ہوگئی ہے؟''

میں چپکا رہا کچھ نہ بولا۔

اماں نے کہا: ''اِدھر آ میرے بچے کیا ہوا؟ اپنی اماں کو بھی نہیں بتائے گا؟''

اماں کے انداز میں نجانے کیا تھا کہ میں ان سے چمٹ گیا اور زور زور سے رونے لگا۔

ندیم، رافع، شافع تینوں میرے پاس جمع ہوگئے۔

''اماں! ہم کرائے دار ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ میری آواز میں آنسو بھرے تھے۔

''تو کیا ہوا......؟'' اماں نے پوچھا۔ ''پوری بات بتا؟''

''سلیم کہہ رہا تھا، تم تو کرائے دار ہو۔ پتا نہیں کب منہ اٹھا کے، سامان سمیٹ کے چلتے بنو۔ تم سے دوستی پکی کیسے ہوگی؟''

''ارے یہ کیا بات ہوئی؟''

اماں نے حیرت سے کہا اور اپنے ململ کے دوپٹے سے میرے آنسو صاف کیے۔

''وہ کہہ رہا تھا تمھارا مکان اونچا ہے تو کیا ہوا، ہو تو کرائے دار! آج اِدھر کل اُدھر، ہم چھوٹے گھر میں رہتے ہیں مگر ہیں تو اِدھر پکے، تو پکے والوں ہی سے میں دوستی کروں گا!''

''بکواس کرتا ہے وہ!'' اماں نے غصے سے بھڑک کے کہا۔ ''ابھی جاتی ہوں اس کی خبر لینے۔''

''رہنے دیں اماں......!'' امی نے انھیں روکا۔ ''سچ ہی تو کہہ رہا ہے، ہم کرائے دار تو ہیں نا۔''

امی کہہ کے دوبارہ آٹا گوندھنے میں مصروف ہوگئیں۔ بات آئی گئی ہوگئی۔

رات کو جب ابا آئے تو میں نے پوچھا: ''ابا ہم کرائے دار کیوں ہیں......؟''

ابا نے میری بات سن کے غور سے میری طرف دیکھا، پھر ہنس کے بولے:

''بھئی اِس لیے کہ مالک مکان کا بھی چولھا جلے......!''

امی نے کہا: ''یہ اب اتنا بھی ننھا نہیں رہا، آٹھویں میں پڑھتا ہے، جو اصل بات ہے وہ بتا دیں۔''

''اب بچوں کو کیا بتانا......؟!'' ابا نے امی سے دھیمی آواز میں کہا۔

امی نے اُن کی طرف دیکھا پھر میری طرف دیکھا اور بولیں:

''بیٹا! بات یہ ہے کہ ہم ہمیشہ سے کرائے دار نہیں تھے۔ ہمارا گھر تھا اِس سے بھی بڑا مگر پھر وہ تمھاری تینوں بہنوں کی شادی کے اخراجات کے لیے بیچنا پڑا۔ اچھے رشتے تھے تو کسی اُدھار سے بہتر تھا کہ اپنی چیز ہی کو کام میں لاتے۔ اب تم لڑکوں نے اپنا گھر بنانا ہے۔ جو شادی سے پیسے بچے تھے وہ کچھ تمھاری تعلیم میں اور کچھ اللہ ماری ڈھائی برسوں کی وبا کے دوران تمھارے ابا کی بے کاری میں خرچ ہوگئے۔''

امی نے چند جملوں میں سب کچھ بتا دیا۔

میں نے ابا کی طرف دیکھا، وہ سر جھکائے نجانے کیا سوچ رہے تھے۔

میں اٹھ کے ابا کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور کہا:

''ابا! ہم سب مل کے پہلے سے بھی بڑا گھر بنا لیں گے۔ آپیوں کی شادی بہت ضروری تھی، آپ نے بہت اچھا کیا۔''

ابا کچھ نہ بولے، بس میرے سر پہ ہاتھ رکھ کر مسکرانے لگے۔

اماں ہنسنے لگیں اور بولیں: ''دیکھا میرا بچہ کتنا سمجھ دار ہوگیا ہے۔ اچھا بھئی مکان بنانے کے چکر میں مجھے نبی جیؐ کے گھر بھیجنا نہ بھول جانا۔''

اُن کا انداز ایسا تھا کہ ہم سب ہنسنے لگے۔

☆......☆

ایک دن اماں اپنے کپڑے کے بٹوے میں سے کچھ نوٹ نکالے اُن کا جائزہ لے

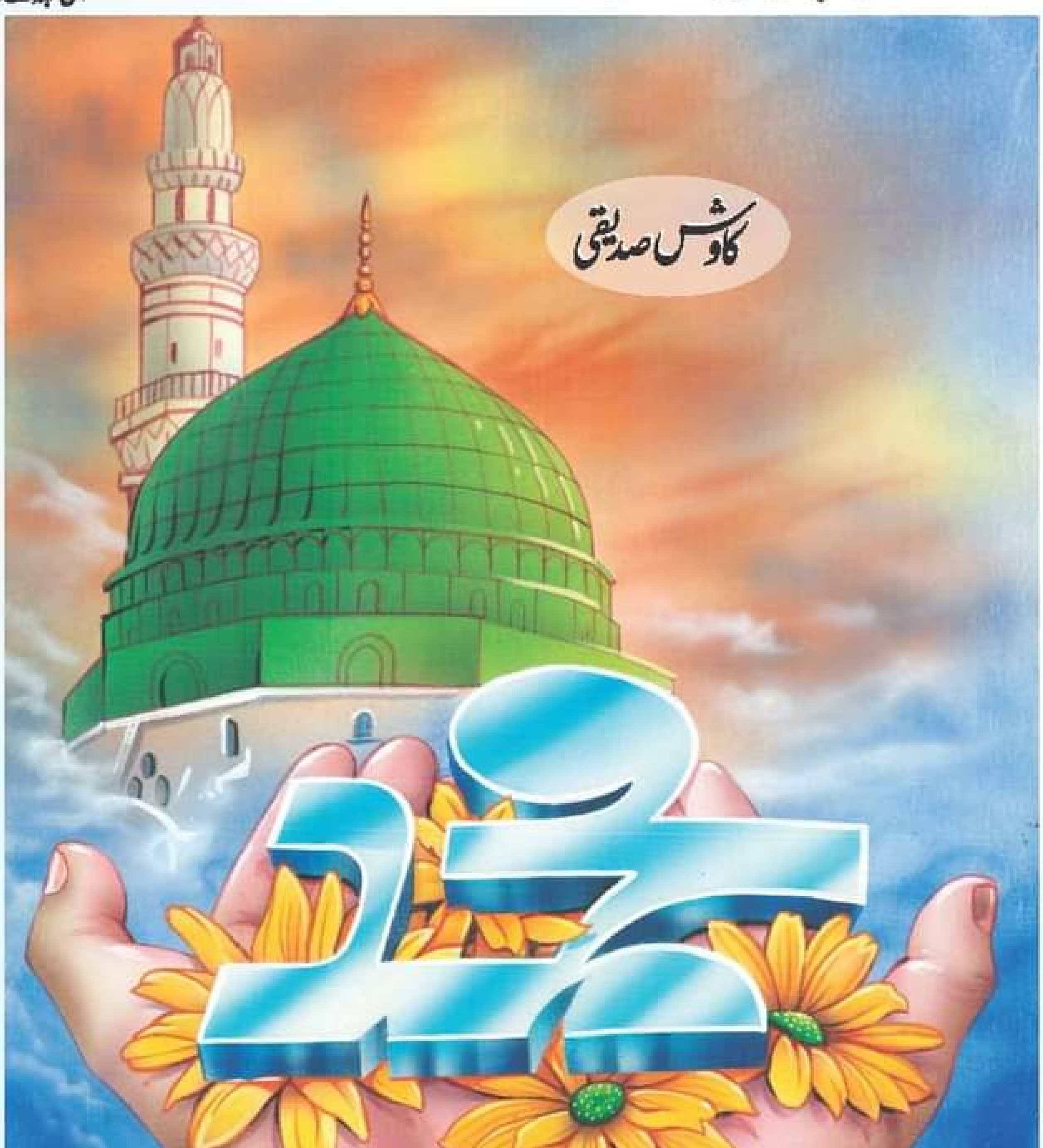

رہی تھیں کہ میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔

"ارشد! یہ تو ذرا گن دے۔" انھوں نے رومال پر پھیلے نوٹ میری طرف سرکائے۔

میں نے انھیں نوٹ گن کے پکڑائے اور کہا: "اماں! یہ سات سو چالیس روپے ہیں۔"

"اچھا......!" اماں نے کچھ سوچا، پھر دس کا ایک نوٹ اٹھا کے مجھے پکڑایا: "یہ لے۔"

پیچھے سے شافع نے کہا: "اماں! مجھے بھی دیں ناں۔"

"چل ہٹ تُو تو گننے میں پانچ دس آپ ہی سرکا لیتا ہے۔"

وہ ہنسنے لگیں اور پانچ روپے کا سکہ اسے بھی پکڑا دیا۔

اماں محلے کے درزی سے کپڑے لا کے اُن کے دھاگے بٹن درست کرتی تھیں۔

ابا منع کرتے تھے مگر وہ کہتی تھیں۔ "مزمل میاں! میرا جی لگا رہتا ہے۔" پھر ابا کچھ نہ بولتے۔ ہر مہینے کی تنخواہ میں سے ابا ہمیشہ اماں کو روپے دیتے تھے۔ اماں وہ بڑی حفاظت سے رکھ لیتی تھیں۔

ہم پوچھتے: "اماں آپ کیا کریں گی اتنے روپوں کا......؟"

اماں اطمینان سے جواب دیتیں۔ "جمع کر رہی ہوں، تمھیں کیوں بتاؤں؟"

مگر ہمیشہ اُن کا جمع جتھا گھر کے کسی نہ کسی مسئلے میں کام آ جاتا اور وہ دوبارہ سے پیسے جمع کرنے میں مصروف ہو جاتیں۔

اماں کا چھوٹا سا کمرہ علیحدہ تھا۔ وہ نجانے کب سوتیں، کب جاگتی تھیں۔ میں نے تو بس انھیں ہمیشہ جاگتے ہی پایا۔ میں کبھی پوچھتا: "اماں! آپ کب سوتی ہیں؟"

وہ ہنس کے کہتیں: "ارے چندا! اب سونا ہی تو ہے۔"

ایک دن شافع نے موبائل پر لائیو مدینہ لگا دیا۔ مسجدِ نبوی میں مغرب کی اذان ہو رہی تھی اور مسجد کے مناظر دکھائے جا رہے تھے۔

اچانک کسی کی ہچکیوں کی آواز آنے لگی۔

ہم نے چونک کے دیکھا، اماں آنکھوں پر اپنا ململ کا دوپٹہ ہچکیوں سے رکھے رو رہی تھیں۔ میں نے پوچھا: "کیا ہوا اماں!؟"

وہ بولیں: "مجھ سے نہ دیکھا جائے گا۔"

"کیا؟" ندیم نے پوچھا۔ "اماں کیا نہ دیکھا جائے گا؟"

"اے بس چھوڑ۔" اماں دسترخوان سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

وہ جب بھی کبھی خانہ کعبہ، خصوصاً مسجدِ نبویؐ کے مناظر دیکھتیں تو بس اٹھ کے اپنے کمرے میں چلی جاتی تھیں۔

"اماں! آپ کو وہاں جانے کا شوق ہے تو آپ چلی جائیں ناں!" ایک دن میں نے کہا۔

"میں......؟" اماں نے چونک کے کہا۔ "پاگل ہوا ہے کیا؟ بھلا میری قسمت، میری اوقات کہ میں اُن کے دربار میں جاؤں۔"

"آپ جانے کے لیے بے قرار رہتی ہیں اور پھر منع بھی کرتی ہیں۔"

"اے پاگل ہوا ہے کیا؟ میں بھلا کالی کلوٹی، کالے موٹے بھدے پیروں والی وہاں جاؤں؟ اللہ جانے کس کس جگہ پر نبی جی کے پاؤں مبارک پڑے ہوں گے۔ کیسے ادب سے، پیار سے قرینے سے، سلیقے سے مٹی کے ذروں نے نبی جیؐ کے قدموں کو اپنے سینے پر لیا ہوگا۔ وہاں کی مٹی نے قدمِ مبارک کو چوما ہوگا اور میں وہاں پہنچ جاؤں؟ میرے کالے موٹے، بھدے پیر وہاں کی زمین پر پڑ جائیں۔ نہ جی نہ یہ گناہ تو مجھ سے نہ ہوگا۔ میں مر نہ جاؤں ایسی گستاخی پر......!"

وہ کہتے کہتے اپنے پیروں پر کھجور کا پنکھا مارنے لگیں۔

میں نے جلدی سے ان کے ہاتھوں سے پنکھا لے لیا اور بولا:

"پھر آپ رویا نہ کریں ناں۔ مجھے روتی اماں اچھی نہیں لگتیں۔"

وہ چپ ہو گئیں۔ ان کا سانولا چہرہ پتا نہیں کیوں مجھے اس وقت بہت چمکتا دمکتا سا لگا۔

میں نے ان کے پیروں کو دیکھا، وہ واقعی موٹے بھاری سے تھے مگر ان کے تلوے بڑے گلابی گلابی اور نرم نرم سے تھے۔ میں نے دل میں سوچا، نجانے اماں اپنے اتنے صاف صاف پیروں کو کیوں پسند نہیں کرتیں؟

☆......☆

عید میں اماں کو ابا نے پیسے دیے تو انھوں نے پوچھا:

"مزمل میاں! یہ جو حج پر جاتے ہیں تو کتنا خرچہ ہوتا ہے......؟"

ابا نے کہا: "آج کل حج کا خرچہ آٹھ لاکھ تک ہو گیا ہے!"

"اچھا......!" اماں نے سادگی سے پوچھا۔ "یہ لاکھ واکھ میں کیا جانوں، یہ بتاؤ کہ کتنے سو لگتے ہیں؟"

"سو......؟" ابا دھیرے سے ہنسے اور بولے۔ "اماں! سو کے دس نوٹ ہوں تو ہزار پھر سو کے ہزار نوٹ ہوں تو ایک لاکھ اور پھر سو کے آٹھ ہزار نوٹ جمع کیے جائیں تو پھر آٹھ لاکھ بنتے ہیں۔"

"اچھا، اتنے، بہت سے۔" اماں نے دھیمے سے کہا۔

میں نے پوچھا۔ "آپ کے تھیلے میں کتنے نوٹ ہیں؟"

"ابھی تو سو والے بائیس اور پچاس والے پچیس ہیں بس۔"

وہ دھیرے سے بولیں اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

☆......☆

ایک دن اماں درزی کے پاس سے واپس آئیں تو ان کے ساتھ ایک چھوٹے قد کی بھاری سی عورت بھی تھی۔ وہ اماں کے ساتھ اُن کے کمرے میں چلی گئی۔

اماں نے اس کے لیے چائے بسکٹ کا اہتمام کیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ کمرے سے نکلی اور باہر چلی گئی۔

دوسرے دن جمعہ تھا۔ جمعے کے دن اماں خوب درود شریف کا اہتمام کرتی تھیں اور کوئی نہ کوئی میٹھی چیز بھی بناتی تھیں۔ کبھی زردہ، کبھی حلوہ، کبھی کھیر مگر اس جمعے کو ہم سب کو خصوصی طور پر نہا دھو کے سفید کپڑے پہن کے تیار رہنے کا حکم دیا اور اتفاق سے اُس دن ابا بھی جمعے کی نماز کی وجہ سے جلدی گھر آ گئے تھے۔ چنانچہ ہم سب جمعے کی نماز کے بعد بڑے کمرے میں اکٹھے ہو گئے۔ وہاں اماں نے سفید چادر کے درمیان میں ایک بالکل نئی جائے نماز بچھائی ہوئی تھی جس پر بڑے اہتمام سے چینی کی پلیٹوں میں کچھ ڈھکا ہوا رکھا تھا۔

ہم سب اس کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔

"یہ دیکھو۔ یہ تبرکات ہیں مدینے شریف کے۔ یہ گلاب کی پتیاں ہیں جو روضۂ انور سے لائی گئی ہیں۔ یہ تہ کی ہوئی روضہ شریف کی غلاف والی چادر اور یہ روضہ مبارک کی مٹی......!"

اماں نے بڑے فخریہ انداز میں ہمیں تبرکات کی زیارت کروائی۔

ان کا سانولا چہرہ جذبات کی حدت سے روشن تھا اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"یہ نبی جیؐ کے تبرکات ہیں۔"

ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان چیزوں کو اپنی پلکوں پر اٹھا لیں۔

ہم بچوں نے بڑی عقیدت سے انھیں دیکھا۔

حضور ہیں!

سب انبیاؑ میں خاصۂ خاصاں حضورؐ ہیں
شاہ و گدا ہیں جن کے ثنا خواں، حضورؐ ہیں

آیاتِ بینات میں سب خُلق آپؐ کا
پڑھیے انھیں کہ حاصلِ قرآں حضورؐ ہیں

قدرت کا شاہکار ہے پیکر حضورؐ کا
تخلیقِ کائنات کا عنواں حضورؐ ہیں

کیا عجز ہے کہ فرشِ زمیں پر بھی سو لیے
کیا شان ہے کہ عرش کے مہماں حضورؐ ہیں

اسلام جن کے فیض سے اسلام ہو گیا
ایمان جن کے دَم سے ہے ایماں، حضورؐ ہیں

مایوسیوں میں کثرتِ صلِ علیٰ کریں
مایوسیوں میں صورتِ امکاں حضورؐ ہیں

نادر صدیقی

"اماں......!" ابا نے دھیرے سے پوچھا۔ "یہ کون لایا؟"
اماں اپنی ہی دھن میں تھیں، بولیں: "ایسی چیزیں تو قسمت والوں کو ملتی ہیں۔"
اچانک میرے ذہن میں وہ چھوٹے قد کی عورت آ گئی جس کی کل چائے بسکٹ سے خاطر کی گئی تھی۔ میں نے پوچھا: "اماں! کہیں وہ کل والی باجی تو نہیں لائیں یہ......؟"
"اے مجھے درزی کی دوکان پر ملی تھیں قمر آپا! انھوں نے بتایا کہ وہ عمرے سے واپس آئی ہیں اور کچھ تبرکات مجھے دینا چاہتی ہیں، بس وہ مجھے دے گئیں۔"
ابا نے اماں کی طرف دیکھا اور دھیمی آواز میں بولے:
"اماں جی! سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ مبارک صدیوں سے بند ہے۔ وہاں اندر کوئی نہیں جا سکتا۔ بس سنہری جالیوں کے سامنے سے درود و سلام پیش کیا جاتا ہے، اور وہاں ہار پھول وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتے اور جب کوئی اندر ہی نہیں جا سکتا تو پھر وہاں کی مٹی لانا تو ممکن نہیں۔"
"اچھا......!" اماں کا روشن چہرہ اچانک جیسے بجھ گیا۔
اچانک امی نے پوچھا: "اماں! کیا آپ نے قمر آپا کی کوئی خدمت کی تھی؟"
"ہاں......!" اماں نے بے دھیانی میں کہا۔ "جو میرے تھیلے میں تھے، سب انھیں پکڑا دیے۔ ان تبرکات کے آگے چند سو کی بھلا کیا اوقات۔"
"مگر......!" ابا نے کچھ کہنا چاہا مگر امی نے انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور بولیں:
"اماں! وہاں کے لیے سب سے بہترین تحفہ درود شریف ہے۔"
"ہاں پر کیا ہوا!" اچانک اماں کا بجھا بجھا سا چہرہ روشن ہو گیا۔ "اللہ بھلا کرے قمر آپا کا کہ انھوں نے مجھے دھوکا بھی نبی جیؐ کے نام پر دیا۔ اے بھلا یہ چند سو تو کیا میں تو اپنی جان بھی دے دوں وہاں کی خاک کے ذرے کے لیے۔" یہ کہہ کر ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔
انھوں نے جلدی سے چہرہ اپنے ململ کے دوپٹے سے ڈھانپ لیا۔

☆......☆

اس واقعے کے بعد اماں چپ چپ سی ہو گئیں۔
ان کی ڈانٹ ڈپٹ جیسے تھم سی گئی۔ نجانے بیٹھے بیٹھے کیا سوچا کرتی تھیں۔
ایک دن میں نے پوچھا: "اماں! آپ چپ چپ کیوں رہتی ہیں......؟"
"بس کچھ بولنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔"
"آپ کو ایک راز کی بات بتاؤں؟" میں نے کہا۔ "امی کو نہیں بتایئے گا۔"
"کیا۔؟" انھوں نے بے دلی سے پوچھا۔
"امی نے کمیٹی ڈالی ہے آپ کو عمرے پر بھیجنے کے لیے۔ حج کے پیسے تو بہت زیادہ ہیں مگر عمرے پر پیسے کم لگتے ہیں۔ ہم سب بچے بھی مل کے آپ کے لیے پیسے جمع کر رہے ہیں تا کہ آپ وہاں جائیں اور سنہری جالیوں کے سامنے درود شریف پڑھیں، سلام پیش کریں اور جی بھر کے نبی جیؐ کی مسجد کے ایک ایک در و دیوار کو دیکھیں۔"
"اچھا......!" ایک پل میں ان کا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا اور آنکھیں یوں چمکنے لگیں کہ جیسے مسجد نبویؐ کے فانوس ان کی آنکھوں میں اتر کے جگر جگر کرنے لگے ہوں۔

☆......☆

چند دنوں سے اماں کی طبیعت بڑی بحال تھی۔ وہ ہر معاملے میں ہر بات پہ کھِلی کھِلی پڑ رہی تھیں۔ خوب باتیں کر رہی تھیں۔ دن میں دو چار بار باہر جانا اور واپسی میں ہم بچوں کے لیے کچھ نا کچھ لے آنا ان کا معمول ہو گیا تھا۔
وہ ذرا ذرا سے پیسے کی بچت کی عادت جیسے بالکل ختم ہو گئی تھی۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید جب سے اماں کو پتا چلا ہے کہ امی نے عمرے پر جانے کے لیے کمیٹی ڈالی ہے، وہ مطمئن ہو گئی ہیں۔
ایک دن جب امی باورچی خانے میں تھیں۔ تینوں، ندیم، رافع، شافع کرکٹ کھیلنے گئے ہوئے تھے، میں نے اماں سے پوچھا: "کیا بات ہے اماں! آج کل آپ بڑی خوش نظر آ رہی ہیں۔ کیا کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے؟"
"ہاں......!" وہ ہنس کے بولیں۔ "تُو تو مجھے بڑا پیارا ہے، تجھ سے بھلا کیوں چھپاؤں؟"
"ہاں ہاں...... بتایئے ناں؟" میں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔
"وہ پچھلے دنوں درس تھا ناں زبیدہ کے گھر، وہاں جو باجی درس دینے آئی تھیں انھوں نے مجھے ایسی بات بتائی کہ بس جیسے مجھے دنیا جہاں کی دولت مل گئی۔"
"کیا......؟" مارے حیرت کے میری آنکھیں پھیل گئیں۔ "کتنے روپے مل گئے آپ کو؟"
"ہش......!" انھوں نے مجھے ڈانٹا پھر بولیں: "اچھا یہ بتا اگر تجھے پتا چل جائے کہ تو جس سے پیار کرتا ہے، محبت کرتا ہے وہ تجھ سے بھی زیادہ تجھے چاہتا ہو تو تُو کیا کرے گا؟"
"ظاہر ہے میں تو خوشی سے پھولا نہیں سماؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "مگر میں سمجھا نہیں۔"
"وہ نا......!" اماں نے جیسے چھوٹے بچے کی طرح اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں کوئی ان کی بات سُن تو نہیں رہا، پھر آہستہ سے بولیں:
"میلاد والی باجی نے مجھے بتایا تھا کہ نبی جی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاک صحابہ سے کہا کہ تم لوگ مجھے دیکھتے ہو، مجھ پر وحی آتے دیکھتے ہو، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، جنگ و امن میں دیکھتے ہو، مجھ پر ایمان لائے ہو، مجھ سے محبت کرتے ہو، میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں مگر تم جانتے ہو کہ میں تم سے بھی زیادہ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہوں جنھوں نے مجھے دیکھا نہیں مگر مجھ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اپنا مال و دولت، جان بھی لٹا کے صرف یہ چاہتے ہیں کہ کاش وہ مجھے ایک بار دیکھ لیں۔ جو مجھے بغیر دیکھے چاہتے، پیار کرتے ہیں۔ ارے مجھ بدنصیب، بے اوقات بڑھیا کے پاس اگر کچھ ہوتا تو یہ سن کر میں اسے لٹا دیتی۔ ہائے نبی جیؐ مجھ جیسی سے بھی پیار کرتے ہیں، مجھے بھی چاہتے ہیں، میرے لیے دعائیں کی ہے انھوں نے! ہائے اب تو بس میں مر جاؤں تا کہ اُن کا دیدار کر لوں۔"
اماں کہتے کہتے رونے لگیں۔ ہچکیوں سے ان کا سارا جسم لرزنے لگا۔
میں حیرت کے مارے ان کا روشن دمکتا چہرہ دیکھتا رہا۔
اور اس بات کے بس چند ہی دنوں کے بعد ایک رات اچانک اماں کا انتقال ہو گیا۔

☆......☆

بڑی آپا کی ساس عذرا پھوپی عمرے سے واپس آئیں تو ابا نے ان کی دعوت کی۔
وہ ہمارے لیے آبِ زمزم، کھجوریں، عطر اور تسبیح لے کر آئی تھیں۔
اچانک انھوں نے باتوں کے دوران چونک کے اِدھر اُدھر دیکھا اور بولیں:
"اماں نظر نہیں آ رہی ہیں۔ کیا وہ ابھی تک عمرے سے واپس نہیں آئیں؟"
ان کی بات سن کے ہم سب نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
امی نے پانی کا گلاس نیچے رکھا اور بولیں۔ "آپ کو ابھی تک سلمٰی نے بتایا نہیں کہ اماں تو اللہ کی امان میں چلی گئیں۔ وہ بے چاری عمرے پر جا ہی نہ سکیں۔ ابھی چند دن پہلے ہی تو ان کا انتقال ہوا ہے جب آپ عمرے پر تھیں۔"
"ہیں...... ہیں...... یہ کیا بے تکی بات ہے؟" عذرا پھوپی نے غصے سے کہا۔
"بھلا یہ بھی کوئی مذاق ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے انھیں مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے۔ وہ اماں ہی تھیں۔ وہی ململ کا دوپٹہ، وہی ان کی مخصوص عینک اور وہی بیٹھنے کا دو زانو انداز۔ اس دن بہت رش تھا۔ میں نے انھیں آوازیں بھی دیں مگر وہ میری طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہوئیں۔ پھر مجھے لگا کہ نجانے کس مراقبے میں ہیں، اس لیے چپ ہو گئی، لیکن اس کے بعد میں نے انھیں بہت ڈھونڈا وہ نظر نہیں آئیں۔ ہم سب کبھی انھیں دیکھتے تھے اور کبھی ایک دوسرے کو۔
عذرا پھوپی کہہ رہی تھیں۔ "اے دیکھو، کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں؟"
اور میں سوچ رہا تھا کہ اماں سچ "وہ" آپ کو پیار کرتے ہیں۔
کاش میں بھی اُن کے پیار کے قابل ہو جاؤں، اے کاش!

☆☆☆

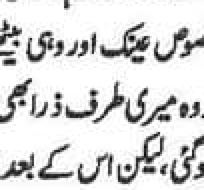

آثارِ نبوی ﷺ کے تعاقب میں ماضی کے اوراق پلٹتے مسافر کی ایمان افروز رودادِ سفر

ایک دن افطار کے انتظار میں مسجد نبوی شریف کے اندر بیٹھا تھا۔ میرے ساتھ ایک ہندوستانی نژاد سفید ریش کرسی پر بیٹھے تھے۔ ان کا تعلق یو کے سے تھا، شاید بچپن بھی وہیں گزرا تھا۔ بات چیت پر جب میں نے انھیں بتایا کہ جامعۃ الرشید کا طالب علم ہوں تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہنے لگے:

”ارے یہ حضرت مفتی رشید لدھیانوی صاحب والا مدرسہ ہے ناں؟ اب کیسا ہے ان کا مدرسہ، وہ ہمارے یہاں بہت آیا کرتے تھے، اُدھر ان کی دین کے لیے کافی خدمات تھیں۔“

مجھے بہت خوشی ہوئی کہ دیکھیں اِن اکابر اولیاء کا فیض کسی ملکی حدود کا پابند نہیں ہوتا، جو شخص دردِ دل رکھتا ہے سارے عالم میں پھر اس کا فیض پہنچتا ہے۔

ایک دوسرے دن ایک جوان ہندوستانی کا پڑوس نصیب ہوا۔ پوری مکمل داڑھی اور ان کی باتوں سے یوں لگتا تھا کہ کوئی عالم ہوں گے، مگر وہ ڈاکٹر تھے اور نجانے کس فیلڈ میں سرجن بھی، علماء سے بے حد محبت کرتے تھے۔ جب انھیں پتا چلا کہ میں بھی اس مدرسے سے تعلق رکھتا ہوں جہاں سے مفتی طارق مسعود صاحب کا تعلق ہے تب تو ان کی دلچسپی دیدنی تھی۔ ان کے بارے میں مختلف سوالات کرنے لگے، پھر حضرت شیخ الاسلام صاحب اور ان کے مدرسے دارالعلوم کراچی کے بارے میں پوچھا۔ گویا کہ علماء و مشائخ کے عشق میں ڈوبے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ مچل کر کہنے لگے کہ یار! صحیح بتاؤں تو دل کرتا ہے کہ ان علماء کی وجہ سے میں ہجرت کرکے کراچی ہی آجاؤں۔

حضرت شیخ الاسلام صاحب کو یہاں سعودیہ کی شہریت آفر کی گئی کہ آپ یہاں آجائیں، مگر انھوں نے فرمایا کہ پاکستان چھوڑنا میرے لیے مشکل ہے۔ ایک بار حضرت مدینہ منورہ سے واپس تشریف لائے تو دورۂ حدیث کے طلبہ کو اپنی کارگزاری سنانے لگے کہ اس بار مدینہ منورہ میں قیام کے دوران وہاں کے محکمۃ القضاء کے چند قاضیوں نے آکر مجھ سے گزارش کی:

”ہماری خواہش ہے کہ آپ ہماری عدالت میں آکر ہمیں بخاری شریف کی کتاب القضاء پڑھائیں۔ انھوں نے کچھ اس طلب سے کہا تھا کہ میں منع نہ کرسکا، اسی دوران کسی نے مسجد نبوی کے امام شیخ احمد طالب صاحب کو بتادیا تو وہ بھی اس درس میں شریک ہوئے۔ اس درس کے بعد انھوں نے فرمائش کی کہ میں چاہتا ہوں کہ ہم مسندِ احمد کی ثلاثیات آپ سے پڑھیں، اور اس کے لیے انھوں نے مسجد نبوی میں ائمہ حرمین کے لیے خاص کیے گئے حجرے میں اس کا انتظام کروایا۔ وہیں ہم نے وہ ثلاثیات پڑھیں اور پھر اس کی اجازت بھی دی تو اس کے نتیجے میں امام حرم کے ساتھ ہی نماز کے لیے باہر آنا ہوا اور صف اول میں امام صاحب کے پیچھے نماز ادا کرنے کا موقع ملا، یوں کئی دیگر ائمہ سے بھی ملاقات ہوگئی۔

اس کے بعد کلیۃ المسجد النبوی کے حضرات، جو وہاں مسجد نبوی میں درس کے حلقے لگاتے ہیں آئے کہ ہم نے آپ کی کتاب ”اصول الافتاء وآدابہ“ خریدی ہوئی ہیں، لہٰذا آپ ہمیں وہ پڑھائیں۔ یوں چار دن انھیں اصول افتاء کا درس دیا، پھر وہاں کے سب سے بزرگ امام شیخ علی عبدالرحمن الحذیفی سے ملاقات کا وقت طے ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ انھیں اپنی چند کتابیں پیش کروں۔“

تو یہ ہیں جناب ہمارے شیخ الاسلام! خیر اب آگے بڑھتے ہیں۔

یہاں حرمین میں انتیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا ہے۔ میں اس رات مسجد نبوی کی ترکوں والی پرانی عمارت میں تھا جہاں اوپر چھت کی جگہ چھجے چھجے چھتریاں لگی ہیں۔ ہر سال کی طرح اس بار بھی نائب چیف امام شیخ صلاح البدیر ختم قرآن کی دعا کروا رہے تھے۔ انتہائی فصاحت و بلاغت، اللہ تعالیٰ کی عمدہ ترین الفاظ میں حمد و ثنا اور دعا کے لیے اعلیٰ ترین الفاظ کا چناؤ اور پھر سونے پہ سہاگا شیخ صاحب کا انتہائی خوبصورت اور درد سے بھرپور انداز، جب شیخ دعا مانگتے مانگتے روتے تو گویا مسجد کے در و دیوار بھی ان کے ساتھ ہی بلبلا اٹھتے۔ حاضرین کی سسکیوں اور ہچکیوں نے جو سماں باندھ رکھا تھا وہ ناقابل بیان ہے۔ ہر شخص کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ اچانک شیخ صاحب نے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگی۔

اللهم أغثنا، اللهم أغثنا، أنزل علينا الغيث ولا تجعلنا من القانطين!

اور واللہ میں نے دیکھا کہ ابھی شیخ صاحب یہ دعا مانگ ہی رہے تھے کہ مسجد میں موجود نمازیوں کے ساتھ ساتھ اوپر آسمان کے ضبط کا بندھن بھی جواب دے گیا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ ہی برس پڑا۔ آن کی آن میں اوپر موجود چھتریاں بند ہوگئیں۔ نیچے کھڑے نمازی ہلکی پھلکی بارانِ رحمت میں نہائے، پھر جب برسات تھوڑی تیز ہونے لگی تو پھر سے چھتریاں کھلتی چلی گئیں۔

بعد میں یہ منظر سوشل میڈیا پر وائرل بھی ہوا۔

یا سبحان اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کی یادیں تازہ ہوگئیں۔

صحابہ کرام فرماتے ہیں ناں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دکھلایا گیا کہ جس رات شب قدر ہوگی اس رات تم پانی اور کیچڑ میں سجدہ کروگے۔ مطلب یہ تھا کہ بارش ہوگی۔ صحابہ فرماتے ہیں ہم نے آسمان کی طرف دیکھا، مطلع اک دم صاف تھا، دور دور تک بارش کے کوئی آثار تک نہ تھے، مگر یکایک چاروں طرف سے کالی گھٹائیں آئیں اور بارش اتنی ہوئی کہ مسجد نبوی کی چھت سے پانی ٹپکنے لگا، جو کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کی

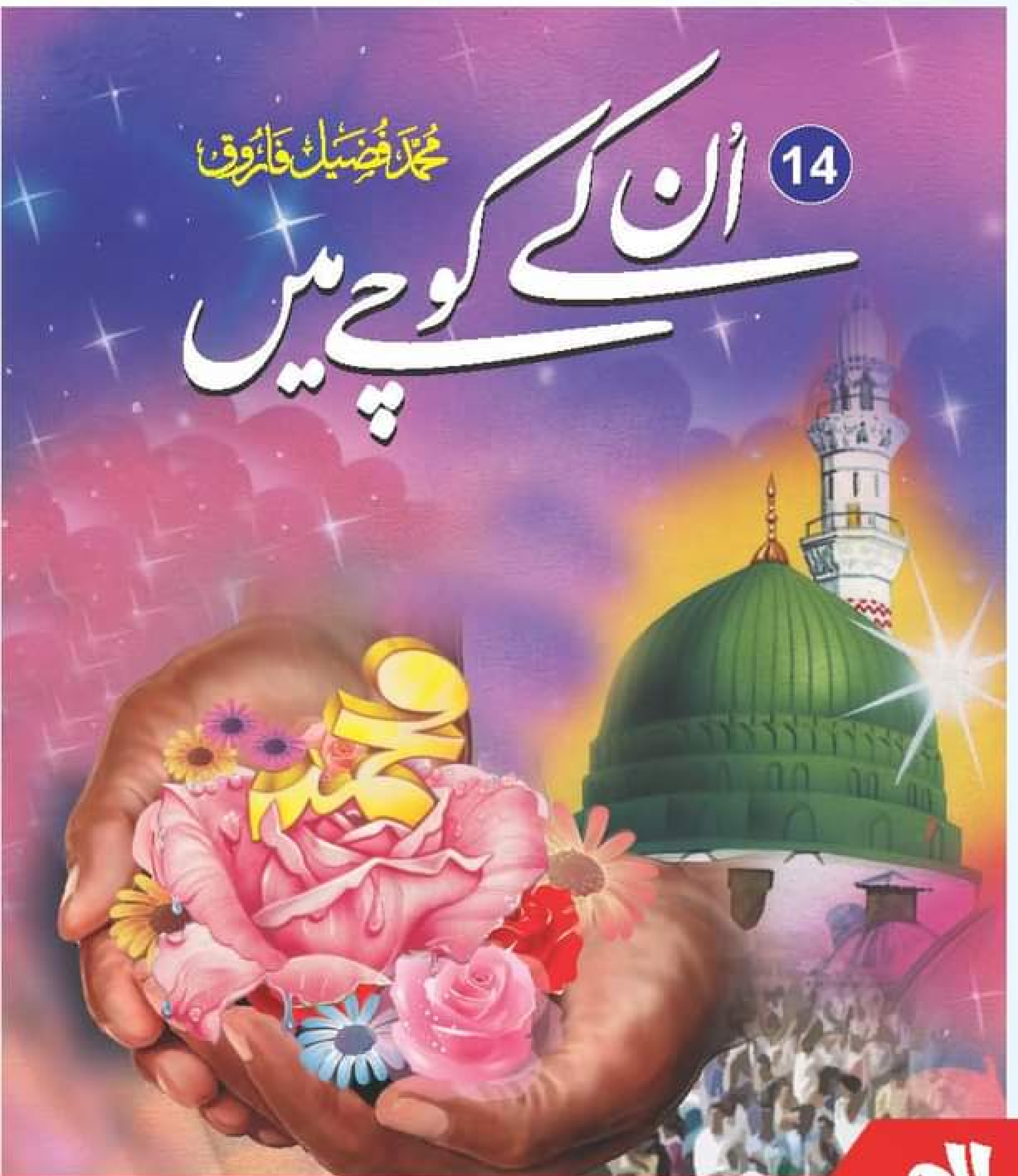

نماز کی تکبیر ہوئی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیچڑ میں سجدہ کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ کیچڑ کا نشان میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی پر دیکھا۔ (بخاری)

اگلی رات چاند رات تھی۔ پچھلی روداد میں ذکر کیا تھا کہ ۲۰۱۷ء میں عید کی نماز ریاض الجنۃ میں پڑھنے کی کوشش میں رات کو دو بجے ہی چلے آئے تھے، مگر شاید ہمارے گناہ آڑے آگئے، اور وہ دروازے کھلے ہی نہیں جن کے کھلنے کی توقع کیے بیٹھے تھے۔

اس مرتبہ میں کئی دن پہلے سے مختلف لوگوں سے پوچھتا رہا کہ بھئی عید کے لیے ریاض الجنۃ میں عوام کو جانے کی اجازت ملتی ہے یا نہیں، تو جواب ملتا بالکل اجازت ملتی ہے، ایک جم غفیر اندر ہی نماز ادا کرتا ہے، لیکن جب طریقہ پوچھو تو کسی کو معلوم نہ تھا۔

یہاں تک کہ میں پوچھتا پوچھتا حرم کے ائمہ کا جو خصوصی ترین گارڈ ہے، ان تک بھی پہنچ گیا۔ ان کے بارے میں بھی مجھے کسی مقامی نے بتایا تھا کہ ان سے پوچھیں، یقیناً انھیں معلوم ہوگا۔

وہ ماشاء اللہ انتہائی باشرع اور سنجیدہ شخصیت کے مالک تھے اور چہرے پر رعب بھی بہت تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے جا رہے تھے۔ میں نے سلام کے بعد ڈرتے ڈرتے پوچھا:

”حضرت! اگر اجازت ہو تو ایک سوال پوچھوں؟“

اس پر وہ منہ بنا کر بولے: ”(بے وقوف!) اس فضول سوال کی جگہ براہ راست سوال ہی پوچھ لیتے، اتنا وقت ضائع کیوں کرتے ہو؟“

ان کے اس برادرانہ انداز پر میں بے ساختہ مسکرا دیا۔ میں نے سوال کیا تو ان کا بھی یہی جواب تھا کہ بھئی ہم تو الگ راستے سے آتے ہیں عوام کے لیے نجانے کون سا دروازہ کھلتا ہوگا۔

ادھر حرم میں انتظامیہ کی طرف سے جو عربی گائڈ کے طور پر گھوم رہے ہوتے ہیں کہ اگر کسی کو کچھ مسئلہ ہو یا کچھ پوچھنا ہو تو ان سے پوچھ لیں۔ یہ والنٹیر ز ہوتے ہیں، زائرین کی مدد کے لیے۔

میں نے ان سے بھی معلوم کیا مگر ان کی طرف سے بھی یہی جواب آیا:

”شف یا شیخ! واللہ ما عندی الخبر!؟“

(دیکھو بھئی! واللہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔)

خیر اللہ پاک سے دعائیں کیں اور قسمت آزمانے کی ٹھان ہی لی۔ پچھلی بار دو بجے آیا تھا سو اب کی بار بارہ بجے آ جانے کا سوچا۔ سوچا تھا کہ بارہ بجے آ کر تیل دیکھیں گے اور تیل کی دھار دیکھیں گے کہ کون سا دروازہ سب سے پہلے کھلتا ہے۔

دراصل عید کی رات پوری مسجد کو زائرین سے خالی کر کے مسجد کے تمام دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت رکھتی اس خوش نصیب ترین مسجد کو دلھن کی طرح تیار کیا جاتا ہے۔

تقریباً بارہ بج رہے تھے جب میں نے بھی نہا دھو کر سفید نئے کپڑے پہنے اور ڈھیروں خوشبوؤں میں نہایا ہوا ہوٹل سے نکلا۔

کل عید تھی، لہٰذا صدقۃ الفطر بھی ادا کرنا تھا۔ ابو نے کہا کہ ہم باقیوں کی طرف سے بھی ادا کرتے ہوئے جانا اور نیچے غسل خانوں اور پارکنگ کی طرف جا کر کام کرنے والوں کو دینا، کیوں کہ حرم کے صحن میں تو اکثر لوگ دیتے رہتے ہیں مگر نیچے (تہ خانے والوں کو) ممکنہ طور پر کم ملتے ہوں گے۔

میں اثبات میں سر ہلاتا ہوا نکلا۔ پچھلی بار جو ہوا تھا میرے ساتھ اس کے بعد بہت کم یقین تھا کہ ریاض الجنۃ میں جگہ مل پائے، مگر ہمیں تو کوشش کرنی تھی۔ میں خراماں خراماں ٹہلتا ہوا نیچے غسل خانوں کی طرف گیا۔ ہم چار لوگ آئے ہوئے تھے، اس لیے چار مختلف لوگوں کو فطرہ ادا کر کے باب السلام کی طرف بڑھ گیا۔ ریاض الجنۃ میں عام طور پر باب السلام کے ساتھ والے گیٹ نمبر دو باب ابی بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے رستہ ہے، سو اسی طرف پہنچا۔

پچھلی بار تو دو تین سو میٹر دور تک لوگوں کا جم غفیر تھا، اس بار کچھ بھی نہیں تھا نہ ہی کوئی فوج نظر آ رہی تھی۔ آس پاس حرم کے صحن میں بہت سے لوگ لیٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ باب ابی بکر صدیق کے باہر بس دس پندرہ لوگ ہی نظر آ رہے تھے۔ دروازے سارے بند تھے۔ میں بھی انھی دس پندرہ لوگوں میں شامل ہو گیا بلکہ اُن میں سب سے آگے جا کھڑا ہوا۔

اب مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ کب کھلے گا، اور کھلے گا بھی یا پچھلی بار کی طرح......!

میں نے گھڑی دیکھی، سوا بارہ بج رہے تھے۔

ابھی مشکل سے دو سے تین منٹ گزرے ہوں گے کہ...... (جاری ہے)

سوال والا بھیڑیا

امجد جاوید

میں اگر بھیڑیا تھا تو کیا ہوا! مجھے بھی بھوک لگتی تھی۔ ہم درندوں کو بھی اپنا پیٹ بھرنے کے لیے شکار چاہیے تھا۔ ہمارے لیے ہمارے رب نے بھی رزق رکھا تھا۔

لیکن ہمارے لیے ان دنوں یہ مشکل ہو گئی تھی کہ ہمیں اپنی بھوک مٹانے کے لیے کوئی شکار نہیں مل رہا تھا۔

ہم سب بھیڑیوں کے غول میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ اگر ہم شکار نہیں کریں گے تو بھوکے مر جائیں گے۔

میرے پاس اس کا ایک ہی حل تھا کہ میں مدینہ منورہ جاؤں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سوال کروں۔

اس دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے پر اس کے جنازے کے لیے جنت البقیع کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔

میں ان کے راستے میں بیٹھ گیا۔

میں سوالی تھا، سو میں نے اپنے بازو پھیلائے ہوئے تھے۔

مجھے یوں راستے میں بیٹھا دیکھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”یہ بھیڑیا (تم سے اپنا) حصہ مانگ رہا ہے پس اسے اس کا حصہ دو۔“

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! (اس کے حصہ کے بارے میں) ہم آپ کی رائے جاننا چاہتے ہیں۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ہر سال ہر چرنے والے جانور کے بدلے میں ایک بھیڑ۔“

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! یہ زیادہ ہے۔“

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں ان سے اپنا حصہ چھین لیا کروں۔

مجھے اجازت مل گئی تھی اور میں یہ اشارہ پا کر وہاں سے چل دیا۔

(اخرجہ البخاری)

پہلی روٹی

ڈاکٹر سارہ الیاس

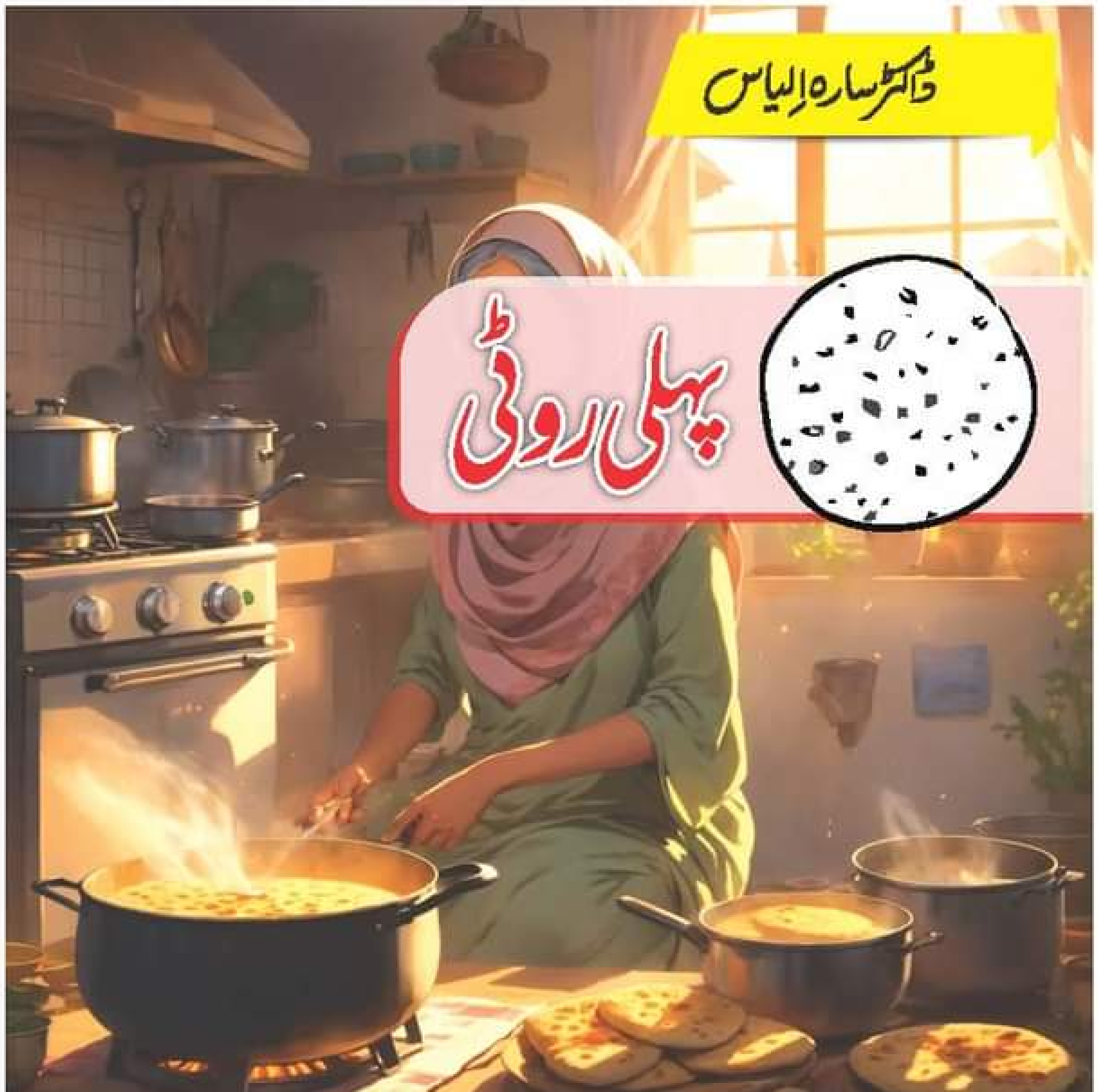

بات عجیب تو تھی ہی، مگر جب سے نعیمہ نے شام کی روٹی بنانا شروع کی تھی، کچھ زیادہ ہی عجیب لگنے لگی تھی۔

آغاز میں مشکل ہوئی، سبھی کو ہوتی ہے۔ ایسے تو نہیں خواتین رشتہ ڈھونڈتے ہوئے پرکار لے کر روٹیوں کی گولائی ناپتی پھرتی ہیں۔ گول روٹی عورت کے سگھڑ پنے کی معراج سمجھی جاتی ہے۔ نعیمہ کو مہینہ بھر لگا۔ جب تک وہ ٹیڑھے میڑھے نقشے بناتی رہی، اماں خوشی خوشی اُس سے روٹیاں بنوا لیتیں، پھر جب وہ کچھ سیدھی کچھ عجیب سی بنانے لگی تو اماں پریشان سی نظر آنے لگیں۔

جس دن اُس کی گول گول روٹی سیکتے وقت گول گپے کی طرح پھول گئی تو اُس پر مانو شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ بس نہ چلتا تھا اسے فریم کروا کر اپنے کمرے میں سجا لے۔ بڑے دل سے اس نے وہ روٹی رومال میں لپیٹ کر ابا کے لیے رکھ چھوڑی، جبکہ اماں اُس سے پہلے بننے والی خراب روٹی کے ٹکڑے ننھے کے بچے ہوئے دودھ میں ڈالنے لگیں۔

باہر سے ڈبو کی مستقل آوازیں آ رہی تھیں۔

ارے وہ بات تو درمیان ہی میں رہ گئی، جو میں بتانے لگی تھی۔

نعیمہ کا ہاتھ سیدھا ہو گیا، اچھی روٹیاں بننے لگیں تو اسے ایک بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ اُس سے تو پہلی سے لے کر آخری روٹی تک سب ایک سی پکتی تھیں، لیکن اماں جب بناتی تھیں تو پہلی روٹی ہمیشہ خراب ہو جاتی یا موٹی رہ جاتی یا ٹیڑھی ہو جاتی یا کہیں سے جل جاتی۔ باقی سب ایسی گول، برابر پھول پڑے ہوئے چپاتیاں اتارتی تھیں کہ بس۔ سنا تھا دادی نے اُن کے ہاتھ کی روٹی دیکھ کر نانا جان کی دہلیز پکڑ لی تھی کہ سمیہ ہمیں دے دیں۔ نانا جان نے بہتیرا کہا کہ ابھی پڑھ رہی ہے، چھوٹی ہے، بڑی بہن بیٹھی ہے مگر دادی نے وہ ضد باندھی کہ نانا میاں کو ہاں کہتے بنی۔ پھوپی جان کہتی تھیں کہ محلے والیاں دلھن دیکھنے اتنا نہیں آئی تھیں جتنا میٹھا بانٹنے کے اگلے دن اُس روٹی کا دیدار کرنے جس کا اماں نے بات طے ہونے کے بعد سے اتنا ڈھنڈورا پیٹ ڈالا تھا۔

یہ سب تو ٹھیک تھا، بچپن سے سنتے آئے تھے سب۔ جو آتا اماں کی روٹیوں کا ذکر لازمی ہوتا تھا۔ اماں سے روٹی سیکھنے لڑکیاں آتی تھیں۔ کسی دعوت پر نہ دیکھا کہ بازار سے روٹی آئی ہو۔ لوگ آتے ہی اماں کے ہاتھ کی روٹی کھانے تھے، اور ان لوگوں کو تو شروع ہی سے نصیب تھی۔ پتا تب لگتا جب اماں بیمار ہوتیں اور کسی اور کے ہاتھ کی روٹی کھانی پڑتی۔ ابا تو ہاتھ ہی نہ لگاتے تھے۔ چاول بنوا لیتے، کہتے تھے کہ کوئی اور روٹی حلق سے نہیں اترتی اب۔ زبان کو عجیب سی لگتی ہے۔

دادی سے جب بچوں نے پوچھا کہ ذرا اِس راز سے پردہ تو اٹھائیں کہ پہلی روٹی کیوں خراب بنتی ہے؟ تو منہ میں پان رکھ کر کہنے لگیں: ”بھئی پہلے تو نہیں تھا ایسا، قسم سے چاند جیسی گول روٹیاں اتارتی تھی تمھاری ماں، پھر نجانے کیا ہوا پہلی روٹی ہمیشہ خراب! باقی ویسی کی ویسی پیاری کہ نوالہ توڑنے کا دل نہ کرے۔“

ابا کے سامنے ذکر ہوا تو ہنس دیے، کہنے لگے:

”ایک راز ہے اِس میں، کہو تو کہہ دوں بیگم؟“

اماں چپکے چپکے مسکراتیں اور اپنی خراب روٹی کے ٹکڑے کل کے بچے گوشت کے شوربے میں نرم کر کے ڈبو کے پیالے میں ڈالنے لگتیں۔

راز کو نہ کھلنا تھا نہ کھلا، لیکن نعیمہ نے بھی جیسے ضد ہی بنا ڈالی تھی۔ اماں اس کی بنائی کسی نہ کسی روٹی کو خراب کہہ کر ضرور ایک طرف ڈالتی تھیں، بلکہ اب تو دو تین روٹیاں رکھ لیتی تھیں۔ ابا بھی عجیب سا گوشت لاتے تھے۔ اتنا سارا تو چھیچھڑے اور چربی ہوتی کہ بس۔ منے کے فیڈر میں بھی دودھ بچ جاتا۔ رزق ضائع کرنے کا اُن کے ہاں تصور نہیں تھا۔ اِس لیے یہ سب باہر موجود ڈبو اور اس کی آل اولاد کے کام آتا۔ وہ بھی سارا دن ہمارے دروازے کے باہر پڑا رہتا تھا۔ اب بوڑھا ہو گیا تھا۔ پہلے آنے جانے والوں کو دیکھ کر غراتا تھا، اب بس ٹھنڈی ریت میں الٹا سیدھا پڑا رہتا۔

نعیمہ کو اچھی طرح یاد تھا، جب وہ پہلے پہل گلی میں آیا تھا۔

وہ چھوٹی سی تھی، باہر کھیل رہی تھی جب ایک خوفناک سا کتا بھونکتا ہوا اُن کی گلی میں گھس آیا اور ان کے گھر کے ساتھ سایہ دار جگہ پر بیٹھ کر چیخنے لگا۔

دل مٹھی میں آ گیا تھا اماں کا۔ اُن سے کہاں کسی جاندار کی تکلیف برداشت ہوتی تھی۔ دروازہ کھول کر دودھ کٹوری میں ڈال کر رکھا، گوشت کا ٹکڑا ڈالا مگر وہ آگے نہ آیا۔ دن کا وقت تھا، مرد سب کاموں پر نکلے ہوئے تھے۔ اماں چادر سے گھونگھٹ نکال باہر چلی گئیں۔ اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ غرانے لگا۔ اماں نے گوشت اس کے قریب پھینکا تو سونگھنے لگا۔ شاید تھک گیا تھا۔ دودھ کا پیالہ چٹاچٹ پی گیا۔

نعیمہ دروازے کے پیچھے چھپی دیکھ رہی تھی۔ اس نے خود سے اماں کے سامنے اپنی ٹانگ کر دی۔ شاید کسی اسکوٹر سے ٹکرا کر آیا تھا۔ اماں اندر آئیں مرہم پٹی کا سامان لینے تو وہ پیچھے چلا آیا۔

اماں صحن میں بیٹھی اس کی مرہم پٹی کر رہی تھیں کہ مانو زلزلہ آ گیا۔

دادی شاید چاشت کے لیے وضو بنانے باہر آئی تھیں۔

”اے ہے یہ حرام جانور گھر میں کون لے آیا؟ سارا گھر پلید کر ڈالا۔“

”اماں! زخمی ہے بے چارا۔“

”جو بھی ہے باہر نکالو اسے۔“

شکر ہے کہ ابا دکان سے اٹھ کر کسی کام سے اسی وقت گھر آ گئے اور انھوں نے معاملہ سنبھال لیا۔ انھوں نے دروازے کے باہر پرانا گدا ڈال کر اس کا بستر بنایا۔ ٹوٹی ہوئی چینی کی پلیٹ اس کے سامنے رکھی۔ اِدھر اماں نے سارا صحن سرف ڈال کر دھویا، پھر فینائل ڈال کر پونچھا لگایا تب جا کر دادی کا جلال ٹھنڈا ہوا۔

ابا شام میں اس کے لیے دوا لیتے آئے۔ اماں اسی طرح چادر کی بکل مار کر اس کی سیوا کرتی رہیں۔ بس اس کے بعد سے وہ لنگڑا ڈبو وہیں کا ہو گیا۔ دادی نے ہزار کہا کہ نکالو اس نحوست کو گلی سے، مگر ابا سنی اَن سنی کر دیتے۔

محلے والے بھی بچا کھچا ڈال دیتے، اُس کا گزارا چل رہا تھا۔

اماں کے ساتھ اس کا تعلق کچھ خاص ہی تھا۔ انھیں دیکھ کر وہ بچوں کی طرح اچھلنے لگتا۔ باقی کسی کو وہ یوں پاس نہ آنے دیتا تھا۔ بھیا وغیرہ گیند سے اس کے ساتھ کھیلتے بھی تھے مگر نعیمہ کی جان جاتی تھی۔ وہ جو بچپن میں اچانک اسے سامنے دیکھ کر دہشت طاری ہوئی تھی وہ دل سے نہ جاتی تھی۔ کالج جانے کے لیے نکلتی تو گلی کے نکڑ تک اماں کو ساتھ جانا پڑتا تھا۔ واپسی پر گلی کا کوئی بچہ پورے پروٹوکول سے اپنی ٹیوشن والی باجی کو بحفاظت دروازہ پار کروا دیتا۔

دادی اب بھی اس سے خار کھاتی تھیں۔ اماں کبھی گوشت کا ٹکڑا ڈالنے لگتیں تو شروع ہو جاتیں کہ میرا بیٹا دن بھر محنت کر کے لاتا ہے اور یہ اُس پر لٹا دیتی ہے۔

ابا ہنسنے لگتے اور ماں رونے بیٹھ جاتیں۔

دن یونہی گزر رہے تھے کہ ساتھ والا گھر جو عرصے سے خالی پڑا تھا اور بچوں میں آسیب زدہ مشہور تھا، آباد ہونے لگا۔

معلوم ہوا کہ گھر بک چکا ہے اور لینے والے کوئی بڑا افسر ہے۔ کئی دن تو وہ صاف ہوتا رہا، پھر چونا ہوا، پھر ایسا فرنیچر آیا کہ عورتوں نے تو انگلیاں دانتوں تلے دبا لیں۔

آخر ایک کاٹھا انگریز اپنے خاندان کے ہمراہ وہاں منتقل ہو گیا۔

محلے والیوں کو جتنا ان کے ہاں جانے کا، اُن کا رہن سہن دیکھنے کا شوق تھا، اماں اتنی ہی لاپروا تھیں۔

”ارے ناشتے میں ڈبل روٹی کھاتے ہیں جام لگا کر۔ انڈے پراٹھے نہیں بنتے اُن کے ہاں، خانساماں نے بتایا ہے۔“

”کام والی بتا رہی تھی کہ فرش پر پتا نہیں کیا ڈلواتی ہے میم صاحبہ کہ شیشے کی طرح چمکتا ہے۔“

”کپڑے ایسے ریشمی پہنتی ہے میم صاحبہ، لوشن جیسے صابن سے نہاتی ہے۔“

وہ دادی کے پاس جمع ہوتیں اور پان کھاتے ہوئے قصے سناتی رہتیں۔

اُدھر اماں موقع غنیمت جان کر اپنے لاڈلے کو کچھ کھلانے پہنچ جاتیں۔

ایک دن نجانے کیوں ڈبو پڑوس کے بچے پر بھونک دیا۔

کامی کا کہنا تھا کہ بچے نے اسے پتھر مارے تھے۔

بس پھر کیا تھا، صاحب ابا کی دکان پر پہنچ گئے۔

ابا بولے: ”برسوں سے یہاں ہے، اب تک ایسا نہیں ہوا، اپنے بچے کو سمجھائیں کہ اسے چھیڑے مت، بوڑھا جانور ہے، روٹی تک دودھ میں نرم کر کے دینی پڑتی ہے، دانت ہیں نہیں، اُس نے کیا کاٹنا ہے۔“

وہ چپ چاپ چلے آئے۔ ہم سمجھے کہ معاملہ ٹل گیا ہے، مگر اگلے ہی روز ڈبو کی سنکھیا کھائی اکڑی ہوئی لاش پڑی تھی۔

نجانے کس تکلیف میں جان نکلی تھی بے چارے کی۔ گردن سے دُم تک اکڑا ہوا تھا۔ میونسپل کارپوریشن کی گاڑی آئی اور ڈبو کو لے کر چلی گئی۔ اُدھر اماں کا رو رو کر برا حال تھا۔ لاٹ صاحب اور ان کے بچے اب آرام سے آ جا سکتے تھے۔ اُن پر بھونکنے والا ڈبو اس دنیا سے جا چکا تھا۔

عجیب بات یہ ہوئی کہ اس روز اماں کی پہلی روٹی بھی آخری والی کی طرح نرم نرم پھولی پھولی اتری تھی۔

ابا نے دکان سے گوشت بھجوایا تو اس میں ڈھونڈنے پر بھی کوئی خراب حصہ نہ ملا تھا۔

ننھے کا دودھ بھی فیڈر میں بچنا بند ہو گیا تھا۔

راز پر سے پردہ اٹھ تو گیا تھا مگر ڈبو کے جانے کے بعد۔

اے اللہ!

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ دعا یاد کروائی:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ، عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ، وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ تَقْضِيهِ لِي خَيْرًا.

ترجمہ: یا اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت کی ساری بھلائیوں کی دعا مانگتا ہوں جو مجھ کو معلوم ہے اور جو نہیں معلوم، اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا اور آخرت کی تمام برائیوں سے جو مجھ کو معلوم ہیں اور جو معلوم نہیں، اے اللہ! میں تجھ سے ہر اس بھلائی کا طالب ہوں جو تیرے بندے اور تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے طلب کی ہے، اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس برائی سے جس سے تیرے بندے اور تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پناہ چاہی ہے، اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا طالب ہوں اور ہر اس قول وعمل کا بھی جو جنت سے قریب کر دے، اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں جہنم سے اور ہر اس قول وعمل سے جو جہنم سے قریب کر دے، اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر وہ حکم جس کا تو نے میرے لیے فیصلہ کیا ہے بہتر کر دے۔ (احمد)

☆☆☆

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نو عمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

75

میرِ حجاز

عمر کے قبولِ اسلام سے شیاطین میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ قبولِ اسلام سے پہلے عمرؓ بن خطاب جس جوش و خروش، سرگرمی اور ہمت و حمیت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کر رہے تھے، اسلام لانے کے بعد اس سے کہیں زیادہ مردانگی کے ساتھ اسلام کے لیے جاں نثاریاں کرنے لگے۔

''برادرانِ قریش! آپ دیکھ رہے ہیں کہ محمدؐ ہمارے دین کی عیب چینی اور ہمارے معبودوں کی تذلیل سے باز نہیں آ رہے، اس لیے میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ایک بہت بھاری پتھر لے کر بیٹھوں گا اور جب محمد سجدہ کرے گا تو اس پتھر سے اس کا سر کچل دوں گا، پھر اس کے بعد چاہے تم لوگ مجھے بے یار و مددگار چھوڑ دو، چاہے میری حمایت و حفاظت کرو۔ بنو عبد مناف بھی اس کے بعد جو جی چاہے میرے ساتھ کریں۔''

ایک دن عمرو بن ہشام نے قطعی انداز میں قریش کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اس کی قومی و مذہبی عصبیت قریش کی مصلحت پسندی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔

''نہیں! اللہ کی قسم اے ابوالحکم! ہم تمھیں کبھی کسی معاملے میں بے یار و مددگار نہ چھوڑیں گے۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔''

اطہر حسین عزمی

شرکائے مجلس نے اس کے فیصلے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

صبح ہوئی تو ابوجہل ایک بھاری بھرکم پتھر لے کر حرم میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسبِ معمول حرم میں داخل ہوئے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ اس طرح کہ کعبۃ اللہ کے ساتھ ساتھ بیت المقدس بھی سامنے رہے۔

قریش بھی وہیں اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے اور ابوجہل کی کارروائی دیکھنے کے منتظر تھے کہ جونہی محمد بن عبداللہ سجدہ میں جائیں گے، ان کا کام تمام ہو جائے گا۔

آج وہی مقام پھر آ گیا تھا کہ جب پیغمبرِ اسلام کے قتل کے لیے عمر ننگی تلوار لے کر نکلے تھے لیکن خود محمد کی تاثیرِ کلام کا شکار ہو گئے تھے لیکن ابوالحکم کا فیصلہ آج نافذ ہو کر رہے گا!

قریش سانس روکے حضور کی طرف دیکھ رہے تھے، جن کی زندگی کی گھڑیوں کی گنتی مکمل ہوا چاہتی تھی اور پھر قریش کو روز روز کے جھنجھٹ سے نجات مل جائے گی۔

اب محمد رکوع سے سیدھے کھڑے ہوئے اور پھر سجدے میں چلے گئے۔

آپ کے سجدے میں جاتے ہی ابوجہل حرکت میں آیا اس نے پتھر اٹھایا پھر چلتا ہوا آپ کی طرف تیزی سے بڑھا۔

جب وہ اس مقام پر پہنچ چکا، جہاں سے وہ محمد بن عبداللہ پر آسانی سے پتھر پھینک سکتا تھا تو نجانے کیا ہوا کہ جس تیزی سے آگے بڑھا تھا، اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ واپس پلٹنے لگا۔ اس قدر شکست خوردہ اور مرعوب کہ پتھر کا بوجھ بھی بمشکل زمین پر پھینک سکا۔

اس کے چہرے پر بدحواسی کے آثار دیکھ کر قریش کے کچھ لوگ اس کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''ابوالحکم! کیا ہوا؟''

''میں وہی کرنے جا رہا تھا جو میں نے رات کو کہا تھا، لیکن جب میں ان کے قریب پہنچا تو ایک اونٹ آڑے آ گیا۔ بخدا میں نے کبھی کسی اونٹ کی ویسی کھوپڑی، ویسی گردن اور ویسے دانت نہیں دیکھے، وہ منہ پھاڑے مجھے کھا جانا چاہتا تھا۔'' (سیرۃ ابنِ ہشام)

بھتیجے کے بارے میں ابوطالب کے اندیشے بڑھتے جا رہے تھے۔ بھتیجے کو خاندان سے طرد☆ (کنبہ بدر) کرنے کا مطالبہ نہ ماننے کی صورت میں قریش کی مقابلہ آرائی کی دھمکی، پہلے عمر بن خطاب کا اقدامِ قتل کے لیے نکلنا، اور اب محمد کا سر پتھر سے کچلنے کی عمرو بن ہشام کی کارروائی۔ ابوطالب کو یقین ہو چلا تھا کہ قریش سرزمینِ حرم کا عہد توڑنے اور ان کے بھتیجے کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ ان حالات میں اگر کوئی دشمن ان پر ٹوٹ پڑا تو حمزہ یا عمر یا کوئی اور شخص کیا کام دے سکے گا؟

بھتیجے کی جان کی حفاظت ابوطالب کی بھتیجے سے محبت و شفقت کا بھی تقاضا تھی اور ان کی خاندانی عزت و حمیت کا بھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے جدِ اعلیٰ عبد مناف کے دو بیٹوں ہاشم اور مطلب کے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں دعوت دی کہ اپنے بھتیجے کی حفاظت اور حمایت کا جو فریضہ وہ اکیلے ادا کرتے رہے ہیں، اب یہ دونوں خاندان بھی اس بوجھ کو سہاریں، چنانچہ سب نے یہ عہد کیا کہ جب تک ہم میں سے ایک فرد بھی زندہ رہا قریش کو محمد بن عبداللہ پر دست درازی کی اجازت نہیں دیں گے۔ خاندانی عصبیت و حمیت کی عرب روایت کے مطابق ابوطالب کے اس مطالبے کو دونوں خاندانوں کے سارے مسلم اور کافر افراد نے قبول کیا، البتہ صرف ابوطالب کا بھائی ابولہب ایک ایسا فرد تھا جس نے اسے منظور نہ کیا اور سارے خاندان سے الگ ہو کر مشرکین قریش کا ساتھ دیا۔

ابوطالب بھتیجے کی حفاظت کے لیے ہر وقت کوئی نہ کوئی حفاظتی تدبیر اختیار کرتے۔ بھتیجے کی حفاظت کے لیے وہ اپنے بیٹوں کی جان کی بھی فکر نہ کرتے تھے۔ رات کو بھتیجے کی استراحت کے لیے ایک بستر لگواتے، تھوڑی دیر محمدؐ اس بستر پر آرام کرتے۔ جب لوگ سو جاتے تو شفیق چچا بھتیجے کو وہاں سے اٹھاتے اور کسی دوسری جگہ پر ان کی شب بسری کے لیے بستر بچھا دیتے۔ بھتیجے کے پہلے بستر پر اپنے بیٹوں میں سے کسی بیٹے یا بھائیوں میں سے کسی بھائی کو سلا دیتے۔ ابوطالب اپنے بھتیجے کی جان کی حفاظت کے لیے اپنے بیٹوں کی جان کو خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار تھے۔ (ابنِ کثیر)

(جاری ہے)

☆ خاندانی سرپرستی و حمایت سے محروم کرنے یا عاق کرنے کو عرب کی قبائلی روایت میں ''طرد'' کہتے تھے اور طرد ہونے والے آدمی کو کوئی بھی قتل کرنا چاہے تو قاتل کو انتقام کا ڈر نہیں ہوتا تھا۔ قبائلی معاشرت میں جان و مال کو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہ تھا۔ یہ خاندانی عصبیت و حمیت ہی تھی جو کسی آدمی کے تحفظ کی ضمانت تھی۔ مطرود شخص درخت سے ٹوٹے پتے کی طرح ہوتا تھا۔ اگر کوئی سردارِ قبیلہ کسی دوسرے قبیلے کے آدمی کو اپنی جوار (پناہ) میں لے لیتا تو اسے بھی تحفظ مل جاتا تھا اور اب پناہ دینے والا پناہ لینے والے کی حفاظت کو اپنی عزت اور انا کا مسئلہ تصور کرتا تھا۔

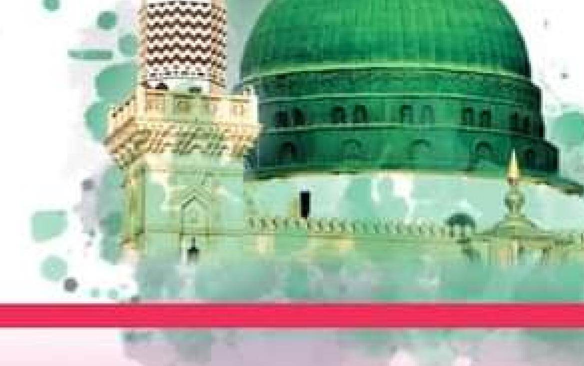

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ، کچھ جھلکیاں!

ابو احمد

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کس ماہ، کس تاریخ، کس دن اور کس گھر میں ہوئی؟

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲ ربیع الاول بروز شنبہ (پیر) دار ابن یوسف میں پیدا ہوئے اور یہ گھر دار ابن یوسف کے نام سے مشہور تھا۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین دادا، دادی اور نانا نانی کے نام کیا کیا تھے؟

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ، دادا کا نام عبدالمطلب، دادی کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ اور آپ کے نانا کا نام وہب اور نانی کا نام برہ بنت عبدالعزیٰ تھا۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد محترم کا انتقال کہاں اور کتنی عمر میں ہوا؟

ج: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والدہ کے بطن مبارک میں تھے تو حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو مدینہ بھیجا تاکہ وہاں سے کھجوریں اکٹھی کر کے لائیں چنانچہ حضرت عبداللہ کو مدینہ گئے، اس وقت حضرت عبداللہ ۲۵ سال کے تھے۔ مدینہ ہی میں حضرت عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا انتقال کہاں ہوا اور اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف کیا تھی؟

ج: علماء سیر نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف ۶ برس کو پہنچی تو آپ کی والدہ مدین گئیں، وہاں سے لوٹتے ہوئے مقام ابواء (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) میں پہنچ کر والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ مقام ابواء سے آپ کو لے کر ام ایمن آئیں یہ بھی مدینہ ساتھ گئی تھیں۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کس بیوی کا نکاح آسمان پر ہوا؟

ج: وہ بیوی حضرت زینب بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وزیر آسمان و زمین میں کون کون ہیں؟

ج: آسمان میں حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام وزیر ہیں اور زمین پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

س: قرآن پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتنے ناموں کا تذکرہ آیا ہے؟

ج: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سات ناموں کا ذکر فرمایا ہے: ۱: محمد۔ ۲: طٰہٰ۔ ۳: یٰسین۔ ۴: المزمل۔ ۵: المدثر۔ ۶: احمد۔ ۷: عبداللہ۔

س: احد کی لڑائی میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے ان سے جو خون نکلا تھا وہ کہاں گیا تھا؟

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک سے جو خون نکلا تھا وہ حضرت مالک ابن سنان نے پی لیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو ایسے شخص کو دیکھنا چاہے کہ جس کے بدن میں میرا خون مل گیا ہو وہ مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ لے۔

س: وہ کون سے انبیاء ہیں جن کے دو نام رکھے گئے؟

ج: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی نبی کے دو نام نہیں رکھے گئے۔ ۱) محمد اور احمد۔ ۲) عیسیٰ اور مسیح (علیہما السلام)۔

س: حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کتنا زمانہ گزرا؟

ج: یہ زمانہ فترت کہلاتا ہے، اس کی مدت کے مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول پانچ سو انہتر (۵۶۹) سال، دوسرا چھ سو سال (۶۰۰) کا، جبکہ تیسرا قول پانچ سو ساٹھ سال (۵۶۰) کا ہے۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہننے کے کپڑوں کی تعداد کتنی تھی؟

ج: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس میں عام طور پر کرتا، لنگی، عمامہ، چادر ہوتے تھے اور شلوار کو آپ نے بہت پسند کیا ہے۔ کرتا سوتی ہوتا تھا جس کی آستین چھوٹی تھی۔ ویسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اون اور کتان بھی پہنا ہے مگر زیادہ تر سوتی کپڑے استعمال کرتے تھے اور آپ کے پاس دو سبز چادریں تھیں اور دو تھیں سرخ۔ سیاہ دھاری والا ایک کمبل اور ایک تکیہ بھی جس میں پوست خرما بھری ہوئی تھی۔

س: کیا کوئی آدمی ایسا بھی ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدست خود نیزہ مارا ہو اور اس سے وہ ہلاک ہو گیا؟

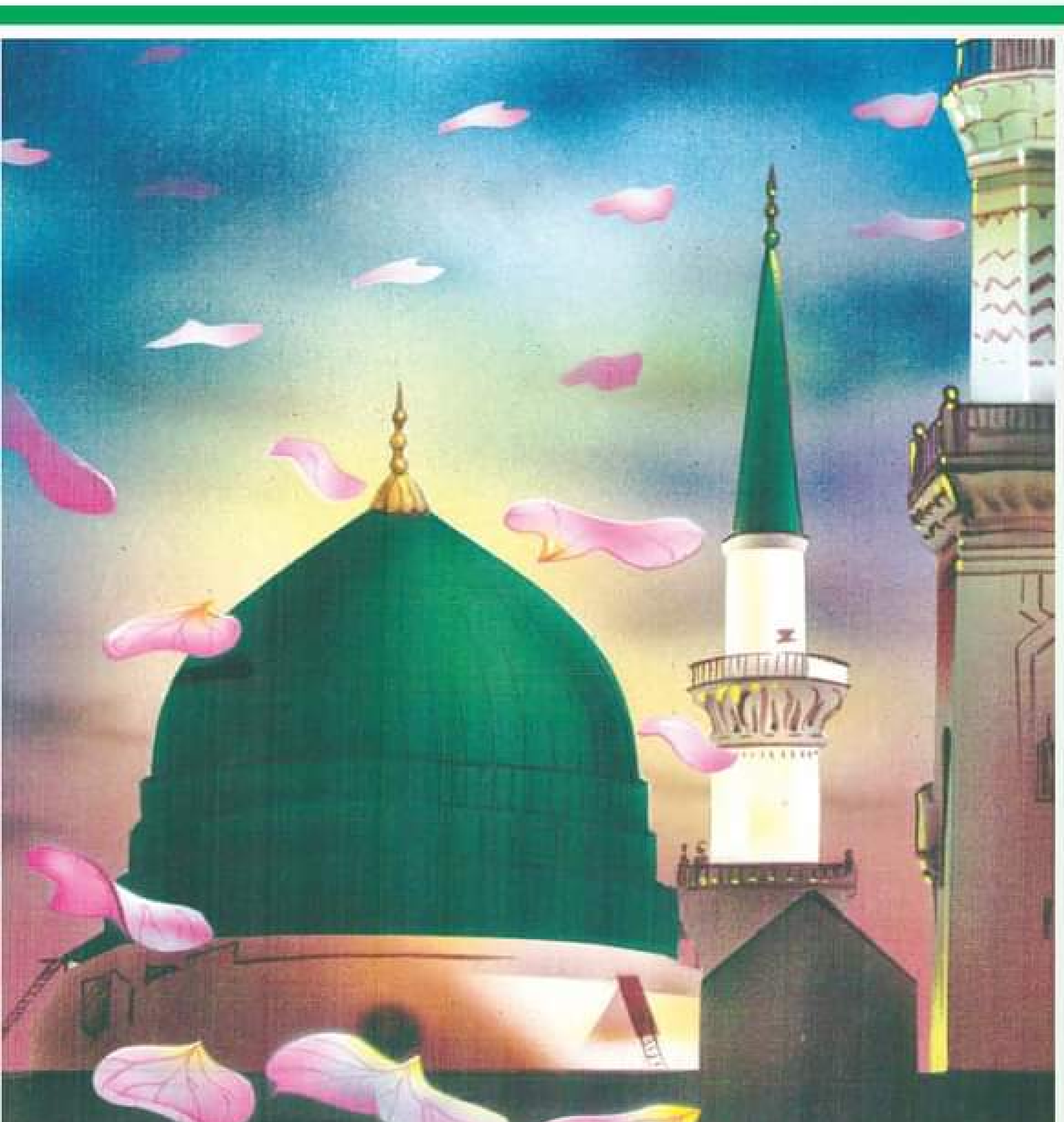

ج: ہاں ابی بن خلف نامی کافر غزوۂ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے مارا گیا۔

س: غارِ حرا کا طول وعرض کتنا ہے؟

ج: لمبائی چار گز اور چوڑائی دو گز ہے۔

س: غزوۂ احزاب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ نے جو خندق کھودی، اس کی کھدائی کتنے دنوں میں ہوئی اور اس خندق کی مقدار کیا تھی؟

ج: اس خندق کی کھدائی چھے دن میں مکمل ہوگئی اور یہ خندق ساڑھے تین میل لمبی اور تقریباً پانچ گز گہری تھی۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے کون سا غزوہ کیا؟

ج: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے غزوۂ ابواء ہے اس کے بعد بواط پھر عشیرہ۔

س: کل غزوات کتنے پیش آئے؟

ج: کل غزوات کی تعداد ستائیس ہے۔

س: وہ غزوات جن میں کفار سے مقابلہ ہوا کتنے ہیں اور وہ کون کون سے ہیں؟

ج: وہ غزوات کل نو ہیں: (۱) غزوۂ بدر (۲) غزوۂ احد (۳) غزوۂ احزاب (۴) غزوۂ بنی قریظہ (۵) غزوۂ بنی مصطلق (۶) غزوۂ خیبر (۷) غزوۂ فتح مکہ (۸) غزوۂ حنین (۹) غزوۂ طائف۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف کتنے دن نماز ادا کی؟

ج: سولہ یا سترہ مہینے، اس کے بعد بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔

س: حجۃ الوداع اور عمرۃ القضاء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال کاٹنے کا شرف کس کس نے حاصل کیا؟

ج: یہ شرف حجۃ الوداع میں حضرت معمر بن عبداللہ نے اور عمرۃ القضاء میں حضرت خراش ابن امیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے حاصل کیا۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر کس نے کب اور کس کھانے میں ملا کر دیا تھا اور اس کے کتنے سال بعد آپ کی وفات ہوئی؟

ج: سلام بن مشکم کی عورت زینب بنت الحارث نے ایک بکری کے گوشت میں زہر ملا کر غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے گوشت منہ میں لیا مگر معلوم ہوگیا۔ بعض روایات میں ہے کہ گوشت نے کہہ دیا کہ زہر ملا ہوا ہے۔ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تھوک دیا، لیکن اس کا اثر رہا اور تین سال بعد آپ کا وصال ہوا۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہادت کی نعمت بھی ملی!

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض الوفات کس دن شروع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مرض میں کتنے دن رہے؟

ج: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کی ابتدا پیر کے دن سے ہوئی۔ بعض نے ہفتے کا دن اور بعض نے بدھ کا دن بتایا ہے اور کل مدتِ مرض بعض نے تیرہ چودہ دن اور بعض نے دس دن بھی لکھی ہے۔

س: بوقتِ وصال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری کلام کیا تھا؟

ج: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا: "اَللّٰھُمَّ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی۔"

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وفات پاگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل وکفن کن کپڑوں میں دیا گیا؟

ج: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دینے کا وقت آیا تو صحابہ سوچنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے مثل دوسرے مردوں کے اتارے جائیں یا مع کپڑوں کے غسل دیں، جب آپس میں اختلاف ہوا تو اللہ نے ان پر نیند مسلط کردی گھر کے ایک گوشہ سے کہنے والے نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مع کپڑوں کے غسل دو تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مع کپڑوں کے غسل دیا گیا پس قمیص کے اوپر سے پانی ڈالتے تھے اور قمیص سمیت ملتے تھے، پھر آپ کا کرتہ نچوڑا گیا اور نکال لیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ جنازہ کیسے پڑھی گئی اور پہلے کس نے پڑھی؟

ج: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازے کی نماز باجماعت نہیں پڑھی گئی بلکہ علیحدہ علیحدہ پڑھی گئی چوں کہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت معلوم کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نمازِ جنازہ کون پڑھائے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب غسل، کفن سے فارغ ہوجاؤ تو میرا جنازہ قبر کے قریب رکھ کر بیٹھ جانا، اول ملائکہ نماز پڑھیں گے پھر تم گروہ در گروہ آتے جانا اور نماز پڑھتے جانا اور اول اہل بیت کے مرد پڑھیں گے پھر ان کی عورتیں پھر تم اور لوگ ہم نے عرض کیا کہ قبر میں کون اتارے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت اور ان کے ساتھ ملائکہ ہوں گے۔

س: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قبر مبارک کس نے کھودی اور کیسے کھودی؟

ج: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی بغلی قبر کھودی۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر مبارک میں کن کن حضرات نے اتارا؟

ج: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار صحابہ نے قبر میں اتارا جن کے نام حسب ذیل ہیں: (۱) حضرت علی (۲) حضرت عباس اور حضرت عباس کے صاحب زادے (۳) حضرت قثم (۴) حضرت فضل۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

س: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لحد مبارک پر کتنی اینٹیں رکھی گئیں اور کیسے رکھی گئیں، کچی یا پکی؟

ج: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لحد مبارک پر رکھی جانے والی اینٹیں نو تھیں جو کھڑی کر کے رکھی گئیں اور یہ اینٹیں کچی تھیں۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب دفن کیا جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر مبارک کے نیچے کپڑا کس نے بچھایا اور کیا بچھایا؟

ج: حضرت شقران رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے اپنی رائے سے ایک کھیس جو نجران کا بنا ہوا تھا بچھا دیا تھا، جس کو یہ صحابی اوڑھا کرتے تھے۔

س: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی کس نے چھڑکا اور کتنا چھڑکا، کدھر سے شروع کیا تھا؟

ج: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھڑکا اور ایک مشک چھڑکا اور سرہانے کی طرف سے شروع کیا تھا۔

س: وہ کون سے صحابی ہیں جن کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پڑھائی؟

ج: ہاں وہ صحابی حضرت سہیل بن بیضاء ہیں۔

س: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے دفن ہونے کا شرف پانے والے صحابی کون ہیں؟

ج: حضرت عبداللہ ذوالبجادتین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

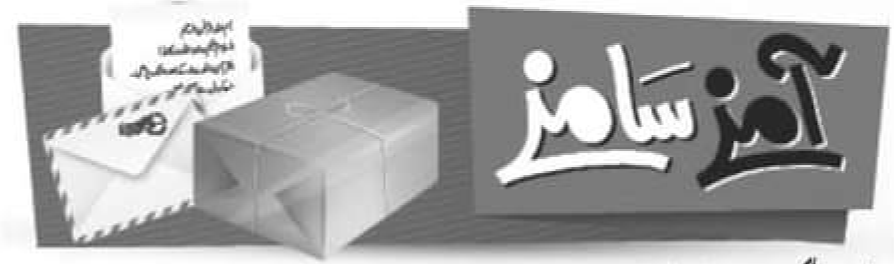

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

☆ شمارہ ۱۰۶۹ میں قرآن وحدیث کے بعد دستک پڑھی۔ آخر کار ’ایک تصوراتی سفر کی روداد‘ ختم ہوئی۔ یہ ایک دلچسپ تصوراتی سفر تھا۔ ’سب سے پیاری چیز‘ بہت اچھی کہانی تھی۔ ’ایک کہانی بڑی نرالی‘ اللہ پر بھروسا اور محنت کا درس دیتی ہوئی اختتام پذیر ہوئی۔ ’زندہ پہیلی‘ زبردست سائنس کہانی رہی۔ ’آمنے سامنے‘ میں خوب محفل جمی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ (حفصہ عبدالرحیم۔ فیروزہ)

ج: آمین وایاک۔

☆ بھائی جان! میں نے پچھلے سولہ سترہ سال سے جیلوں میں آنا جانا لگا رکھا ہے۔ اس کی تفصیل میری آپ بیتی ’زنداں نامہ‘ میں آئے گی۔ میں اپنی آپ بیتی جلد آپ کو بھیجوں گا۔ تب تک آپ معاف کی ڈائری کا ایک ورق پڑھیں اور مجھے بتائیں کہ قیدی کے بیوی بچوں کے مسائل اجاگر کرنے کے لیے یہ طریقہ ٹھیک ہے؟ اگر آپ حکم کریں گے تو ڈائری کو ۲۰۰ صفحات تک بھی لے جاؤں گا۔ آج کل لکھنے پڑھنے کے لیے بڑی مشکل سے وقت نکالتا ہوں۔ (حافظ نجم الحسن نقشبندی۔ فیصل آباد)

ج: دلچسپ پیرائے میں اگر کچھ نئی بات ہو، جو سبق آموز بھی ہو تو جتنی بھی طویل ہو، بور نہیں لگتی۔ اب یہ تو پڑھ کر ہی پتا چلے گا کہ نوعمروں کے رسالے میں قابل اشاعت ہے کہ نہیں!

☆ شمارہ ۱۰۸۹ میں اپنا پہلا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور آپ کے لیے دل سے دعا نکلی۔ اب میں دوسرے خط کے ساتھ کہانی بھی بھیج رہا ہوں۔ ’پانچ فرق تلاش کریں‘ میں واقعی دماغ کی چولیں ہل گئی لیکن مزا آیا۔ مدیر چاچا ایسی سرگرمیاں شائع کرتے رہا کریں اور رسالے میں کوئی جاسوسی ناول شروع کریں شکریہ! (حافظ میر محمد بن عاصم حفیظ میر۔ لاہور)

ج: جاسوسی ناول ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۱۰۷ سے شروع ہوگا۔

☆ شمارہ ۱۰۹۱ کی دستک پڑھ کر بہت لطف اندوز ہوئے۔ کاوش صدیقی کی ’دیر نہیں لگتی‘ بہت شاندار اور پراثر تحریر تھی۔ پڑھ کر بہت سبق حاصل ہوا۔ ’میر حجاز‘ کا سلسلہ بھی کافی زبردست جا رہا ہے۔ ’ان کے کوچے میں‘ پڑھ کر آنکھ کو ٹھنڈک حاصل ہوئی۔ کافی معلومات حاصل ہوئی، جس کو میں اپنی ڈائری میں لکھ رہی ہوں۔ ’ٹیلی فون‘ پڑھ کر اپنا اسکول میں گزرا ہوا وقت یاد آگیا۔ چچا جان! ہماری ایک چھوٹی خواہش ہے کہ بچوں کا اسلام میں اشتیاق احمد صاحب کا ایک ناول شروع کر دیجیے۔
(امامہ میر۔ میٹرول سائٹ، کراچی)

ج: اعلان تو آپ نے پندرہ دن قبل پڑھ ہی لیا ہوگا۔

☆ شمارہ ۱۰۹۰ کے سرورق پر عجیب وغریب تصویر اور ’آل پاکستان ٹور‘ دیکھ کر حیرت کے سمندر میں ڈوبنا پڑا۔ ’دستک‘ میں مدیر چاچو نے واقعی آل پاکستان ٹور کے شیڈول کے ساتھ ہمارے حیرت میں اضافہ کر دیا۔ ’ایک لکیر ایک سبق‘ سبق آموز بھی۔ مزے دار سیر نے بہت مزہ دیا۔ ’میر حجاز‘ میں اس دفعہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے عدل کا پرنور تذکرہ تھا۔ ’جگت بابو‘ پڑھ کر شیخ چلی صاحب یاد آگئے اور فضیل فاروق کا سفرنامہ نہایت شاندار اور جاندار جا رہا ہے۔ پھر اس کے بعد آمنے سامنے کی بیٹھک میں حاضر ہوئے۔ خطوط کے دلچسپ جوابات اور دعاؤں سے خوب محظوظ ہوئے۔
(عبیداللہ۔ بنوری ٹاؤن، کراچی)

ج: کیا واقعی سرورق تصویر عجیب وغریب تھی؟ ہمیں تو نہیں لگی۔ کیا آپ کبھی پھسل کر نہیں گرے!؟

☆ شمارہ ۱۰۸۹ کی دستک کا عنوان دیکھ کر ہم چونک اٹھے مگر جب پڑھنا شروع کیا تو بات واضح ہوگئی کہ رشتے داروں کی باہمی دلچسپیوں کو زمانے کی سرد وگرم ہوا کے تیز جھونکے کہیں اڑا کر لے گئے ہیں۔ ’افریقہ سے آم آیا ہے‘، آباثر صاحب کے تعاقب میں افریقہ سے آم کا آنا یہ ہے ان کے عشق اصلی کی دلیل۔ ’غیرت مسلم زندہ ہے‘ ایک اچھوتی اور غیرت کو جھنجھوڑتی کہانی۔ شمارہ ۱۰۸۹ کی دستک کیا ہی بلند اور دلچسپ تخیل میں لکھی گئی۔ آپ کے قافلے کا ایک پڑاؤ ہمارے پاس بھی ہونا چاہیے کہ ہم آپ کو پیرا کی سکھائیں گے، کیونکہ ہمارے اطراف میں تین نہریں بہتی ہیں۔ ’ایک لکیر ایک سبق‘ بجو کا جن‘ یہ دونوں تحریریں سبق آموز رہیں۔ ’مزے دار سیر‘ واقعی مزے دار سیر تھی۔ ’ان کے کوچے میں‘ ہمارا فقہ کا سبق کتاب الحج تھا اس کی تیسری اور چوتھی قسط دل جمعی سے پڑھی بہت فائدہ ہوا۔ محسن حسن کا تبصرہ بھی نظر آیا۔ اس بار ’آمنے سامنے‘ میں آپ کے شگفتہ شگفتہ جواب پڑھ کر تو دل خوش ہو گیا۔
(محمد عربی۔ نوشہرہ جدید)

ج: تین تین نہروں اور پیرا کی کا پڑھ کر ہمارا بھی افسردہ سا دل یکا یک خوش ہو گیا، بہت شکریہ!

☆ شمارہ ۱۰۸۹ کے ’مختصر پراثر‘ میں ہارٹ اٹیک سے بچاؤ کا نسخہ بہت کارآمد تھا۔ آپ کی دستک معاشرے کی عکاسی کر رہی تھی۔ ’تعلقات کی مار‘ نے کڑوا سچ بیان کیا۔ ’نظمیں‘ دونوں اچھی تھیں۔ ’قاضی کا امتحان‘ حیرت زدہ تھی۔ ’کتب میلہ‘ اشتہار ایک لوٹ میلہ ثابت ہوا۔ مطالعے کے شوقین حضرات ضرور فائدہ اٹھائیں۔ ’غیرت مسلم زندہ ہے‘ تحریر نے دلوں میں مردہ ایمان کو بھی زندہ کر دیا۔ حافظ صاحب ماشاء اللہ ’ختم نبوت زندہ باد‘ پر مشتمل تحریریں لکھ کر پاسبان ختم نبوت کو بیدار کرتے رہتے ہیں۔ دینی مسائل کے سوالات والا سلسلہ لگتا ہے آپ نے بند کر دیا ہے۔
(مولانا محمد اشرف۔ حاصل پور)

ج: نہیں بند کیا۔ سوالات باقاعدگی سے آرہے تھے تو لگا رہے تھے۔ اب نہیں آرہے یا آرہے ہیں تو عمومی روزمرہ سوالات کی بجائے بڑے ”ٹیکنیکل“ سوالات آرہے ہیں جو بچوں کے رسالے کے لیے تو مناسب نہیں۔

☆ بچوں کا اسلام شمارہ ۱۰۹۲ سامنے آتے ہی تصور نے ہمیں ۲۰۱۴ء کی شاموں کی طرف دھکیل دیا۔ جناب اشتیاق احمد مرحوم کے ساتھ لکھاریوں وقارئین کا قافلہ سوئے منزل رواں دواں تھا اور ہم اس کی چمک دمک سے محظوظ ہوتے تھے، پھر زمانہ انقطاع آگیا، البتہ جامعۃ الرشید سے تعلق برقرار رہا۔ مصروفیات کی موجوں نے کبھی بحالِ تعلق کے ساحل پر آنے نہ دیا۔ لیل ونہار کی اس گردش میں نظر بھائی محمد عربی نوشہروی پر پڑی، جو قلم زرگل سنبھالے سینہ قرطاس کو حزین کر رہے تھے اور قریب رکھے مکتب پر بچوں کا اسلام مسکرا رہا تھا، بس پھر کیا تھا گھوڑے بیچ کر سوئے شوق نے انگڑائی لی اور مدیر صاحب کے آمنے سامنے ہونے کی سعادت حاصل کرنے کی ٹھان لی۔ شمارہ ۱۰۹۲ کا سرورق بہت عمدہ وبہترین ہے۔ دلوں پر دستک دیتی ”ایک تصوراتی سفر کی روداد“ میں استاد محترم مفتی جمیل الرحمن عباسی صاحب مدظلہ کا تذکرہ پڑھ کر اچھا لگا۔ ’سوفٹ ڈرنک پینے جتنا صدقہ‘ نے سوفٹلی دل کو ٹچ کیا۔ فوزیہ خلیل صاحبہ نے ایک اہم مضمون کو ’پلاسٹک کی کہانی‘ کی صورت میں پیش کر کے دلچسپ بنا دیا۔ ہر دلعزیز شاعر اثر جون پوری صاحب کی شانِ ’آم‘ پر لکھی نظموں کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل دیوان منصۂ شہود پر آسکتا ہے۔ ’ان کے کوچے میں‘ اور ’میر حجاز‘ مکمل ہونے پر کتابی شکل میں آجائیں تو قدر دانوں کی راحت کا سامان ہوں گی۔ ’بلی اور ہم‘ اور ’وقت بتائے گا‘ بھی دل کو چھو گئی۔ ’پانچ فرق تلاش کریں‘ ایک اچھا سلسلہ ہے، لیکن اگر یہی صفحہ مصوری اور خطاطی کے لیے مختص ہو جائے تو مزید کئی قارئین کے فن پاروں کو رسالے میں جگہ مل سکتی ہے۔ صبح کا بھولا آپ کے ’خوش آمدید‘ کہے بغیر شام کو واپس آچکا ہے۔ اب تو آمنے سامنے ہوتے رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ!
(محمد اسد اللہ ناصر۔ بہاول پور)

ج: جی ان شاء اللہ تعالیٰ دونوں کتابی صورت میں شائع ہوں گی۔ ویسے اطلاعاً عرض ہے کہ میر حجاز جو بچوں کا اسلام میں شائع ہو رہا ہے، یہ تلخیص کے ساتھ ذرا کم ہو کر شائع ہو رہا ہے۔ اس میں بہت کچھ ایڈٹ بھی ہو رہا ہے۔ بچوں کا اسلام کا یہ سلسلہ مکمل ہونے پر کتابی صورت میں جب ہم شائع کریں گے تو ساڑھے چار سو صفحات میں شائع ہوگا، جبکہ محترم عزمی صاحب نے اصلاً یہ بڑوں کے لیے لکھا تھا، جو تقریباً ہزار صفحات پر کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے میر حجاز ہی کے نام سے۔ وہ اگر کسی کو منگوانا ہو تو بھیجا جا سکتا ہے۔

ابلیس کا پڑپوتا صحابی جن!

انتخاب: شمس الرحمٰن۔ ملتان

حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک روز ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تہامہ کے ایک پہاڑ پر بیٹھے تھے کہ یکا یک ایک بوڑھا ہاتھ میں لاٹھی لیے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ''اس کی آواز جن کی سی ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''تو کون ہے؟''

اس نے عرض کیا: ''میرا نام ہامہ بن ہیم بن لاقیس بن ابلیس ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ابلیس اور تیرے درمیان دو ہی پشتیں ہیں، بتلا کہ تیری عمر کیا ہوگی؟''

اس نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جن دنوں قابیل نے ہابیل کو مارا تھا، اس وقت میں بچہ تھا۔ بات سمجھتا تھا اور پہاڑوں پر دوڑتا پھرتا تھا اور لوگوں کا غلہ اور کھانا چرا کر آپس میں بدسلوکی کرنے کے وسوسے ڈالا کرتا تھا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تیرے بچپن کے عمل تو ایسے ہیں اور جوانی اور بڑھاپے کے کام بھی ایسے ویسے ہوں گے، تو بہت برا شخص ہے۔''

اس نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ مجھ کو ملامت نہ کیجیے کہ میں توبہ کر چکا ہوں۔ میں نے پہلے حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر توبہ کی تھی اور ایک سال ان کی مسجد میں ان کی صحبت میں رہا ہوں اور حضرت ہود، یعقوب، یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبتوں میں رہا ہوں اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی اور ان سے تورات سیکھی اور ان کا سلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچایا تھا اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہو تو میرا سلام ان کو پہنچانا، سو اب اس امانت کے ادا کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور میری آرزو ہے کہ آپ اپنی زبان مبارک سے مجھ کو قرآن تعلیم فرمایئے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سورتیں جیسے سورہ واقعہ، مرسلات، سورۃ النبا، سورۃ التکویر، سورۃ الفلق، سورۃ الناس اسے تعلیم فرمائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو وصال پا گئے، اس جن کی خبر نہیں کہ زندہ ہے یا مر گیا۔

(حوالہ: تفسیر فتح العزیز)

☆☆☆

بھول گیا ہوں!

اسلم فیضیؔ

روضہ ہے میرے سامنے گھر بھول گیا ہوں
تھا دل پہ جو دنیا کا اثر بھول گیا ہوں

اے گنبدِ خضرا! میں تری چھاؤں کے قرباں
رستے کا ہر اک سبز شجر بھول گیا ہوں

اک ایسا سکوں شہرِ مدینہ میں ملا ہے
میں سارا جہاں سارے نگر بھول گیا ہوں

اس ساعتِ خوش بخت کے دامن سے لپٹ کر
وارفتگی شام و سحر بھول گیا ہوں

دیکھی ہے جو آ کر تیرے دربار کی عظمت
ہر حسن کا معیارِ نظر بھول گیا ہوں

امید کے ساحل پہ جو اترا ہوں تو فیضیؔ
دکھ درد کی موجوں کے بھنور بھول گیا ہوں

☆☆☆